شمالی علاقہ جات کی سیر وسیاحت

سیاحین کی رہنمائی کے لیے گائیڈ بک

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

دار الفکر الاسلامی

نام کتاب: شمالی علاقہ جات کی سیر وسیاحت: سیاحین کی رہنمائی کے لیے گائیڈ بک

مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

ناشر: دار الفکر الاسلامی

صفحات: 43

قیمت: 60روپے

طبع اول: فروری،2020ء

ای میل: mzubair@cuilahore.edu.pk

hmzubair2000@hotmail.com

مصنف کی دیگر کتب:

- ☆ وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں(Existence of God)
- ☆ صالح اور مصلح(Personality Development)
- ☆ سیکس، سائیکالوجی اور سوسائٹی(Sex, Psychology and Society)
- ☆ آسان دین(Easy Islam)
- ☆ تعلق کی سائنس(Science of Relationship)
- ☆ ازدواجی زندگی مسائل اور حل(Marital Life: Problems and Solutions)
- ☆ جادو، آسیب اور نظر بد کا علاج(Magic, Devil and Evil Eye)
- ☆ مکالمہ(Dialogue)
- ☆ اسلامی نظریہ حیات(Islamic Ideology of Life)
- ☆ اسلام اور مستشرقین(Islam and Orientalists)
- ☆ خوابوں کی تعبیر کے اصول وضوابط(Principles for Interpretation of Dreams)

شمالی علاقہ جات کی سیر وسیاحت

سیاحین کی رہنمائی کے لیے گائیڈ بک

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

اسسٹنٹ پروفیسر، کامسائٹس یونیورسٹی اسلام آباد، لاہور کیمپس، لاہور

ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

دار الفکر الاسلامی

لاہور

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [العنکبوت: 20]

”آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور غور کرو کہ اللہ عزوجل نے تخلیق کی ابتدا کیسے کی اور وہ دوسری مرتبہ کیسے پیدا کرے گا۔ یقیناً اللہ عزوجل ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

انتساب

اُن سیاحین کے نام

کہ جنہیں سیر وسیاحت میں اللہ زیادہ یاد آتا ہے۔

فہرست مضامین

مقدمہ

اگست 2018ء میں ناران کاغان اور جولائی 2019ء میں وادی نیلم کے لیے فیملی کے ساتھ سیر وسیاحت کا موقع ملا۔ اس سفر سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا کہ جس سے خیال آیا کہ ان علاقوں کی سیر وسیاحت کا ارادہ رکھنے والے دوستوں کی رہنمائی کے لیے ایک تحریر مرتب کر دی جائے تا کہ اللہ عزوجل کی توفیق اور بروقت پلاننگ سے سفر کی صعوبتوں اور مشکلات کو کم کیا جا سکے۔

اس تحریر میں جو ہدایات میں ذکر کرنے جا رہا ہوں، اس میں میری ذاتی رائے بھی شامل ہے اور وہاں کے مقامی لوگوں کا مشورہ بھی۔ میں نے شمالی علاقہ جات کی سیر سے پہلے کچھ آرٹیکلز پڑھے تھے تا کہ سفر میں آسانی رہے لیکن اکثر لوگ غیر ضروری چیزیں بتلاتے رہتے ہیں، کام کی چیز کوئی کم ہی ذکر کرتا ہے۔ تو یہ بھی ایک وجہ بنی کہ اس تحریر کو مرتب کیا جائے۔

تو پہلے پہل یہ تحریریں فیس بک پر شیئر کی گئی تھیں کہ جن کے ساتھ رہنمائی کے لیے تصاویر بھی تھیں۔ بعد ازاں جو دوست ان علاقوں کی سیر کر چکے تھے تو ان میں سے بعض نے اپنے کمنٹس کے ذریعے کچھ باتوں کا اضافہ کیا تو دوستوں کے چند مفید کمنٹس بھی اس تحریر میں شامل کیے گئے ہیں۔ اس تحریر کا مقصد ایسی معلومات فراہم کرنا ہے کہ آپ کا سفر کا آرام دہ بھی ہو سکے اور سستا بھی اور بامقصد بھی۔ اس تحریر کے علاوہ اگر ممکن ہو سکے تو ان علاقوں کی سیر پر جانے سے پہلے یوٹیوب پر کچھ ویڈیوز بھی دیکھ لیں تو اس سے بھی فائدہ ہو گا۔

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ دیندار طبقہ اس طرف بھی توجہ دے کیونکہ زندگی کے ہر شعبے میں اگر دینی ذہنی رہنمائی دینے والی پوزیشن لے لے گا تو خیر ہی خیر پھیلے گا۔ وادی نیلم کی سیر سے پہلے میں نے یوٹیوب پر بعض ویڈیوز دیکھیں کہ کچھ مذہبی دوستوں نے بڑی پروفیشنل ویڈیوز بنائی ہوئی تھیں۔ اور پندرہ بیس منٹس کی ویڈیو میں بس پندرہ بیس سیکنڈ ایسے تھے کہ جن میں وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے یا درس قرآن کا اہتمام کر رہے تھے۔ تو دین کا اتنا پیغام بھی بہت بڑی بات ہے کہ ہم نے وہاں جا کر اپنے رب کو بھولنا نہیں ہے۔

ابوالحسن علوی

لاہور سے ناران تک

4 اگست 2018ء بروز ہفتہ دو پہر ایک بجے لاہور سے ناران کے لیے سفر کا آغاز کیا۔ خواہش تو یہ تھی کہ صبح پانچ بجے ہی لاہور سے ناران کے لیے نکل جائیں اور شام پانچ چھ بجے تک ناران پہنچ جائیں لیکن بوجوہ دیر ہو گئی جو کہ میرے خیال میں مفید ہی رہی۔ لاہور سے ناران تک اگر آپ ٹھہر ٹھہر کر انجوائے کرتے ہوئے سفر کریں تو بارہ سے تیرہ گھنٹے کا سفر ہے اگرچہ گوگل میپس میں یہ آٹھ سے نو گھنٹے کا رستہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن گوگل میپس کے دیے گئے متوقع وقت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نان سٹاپ سفر کریں اور غیر متوقع ٹریفک جیمز اور حادثات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلسل چلتے رہیں تو یہ اتنے گھنٹے کا سفر ہے جو کہ بہر حال ممکن نہیں ہے۔

جب آپ سیر کے لیے نکلتے ہیں تو پہلی تجویز یہ ہے کہ اپنے سفر کو سفر برائے سفر بنا کر تھکاوٹ کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ اس کو انجوائے کریں۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ رستے میں ٹھہر ٹھہر کر انجوائے کرتے ہوئے سفر کریں۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ ناران سے زیادہ ناران کے رستے خوبصورت ہیں کہ وہاں ابھی تک متمدن انسان کا پڑاؤ نہیں ہوا لہذا یہ علاقے انسان کی کرپشن اور ناجائز تصرف سے پاک ہیں۔ اور خاص طور بالاکوٹ سے آگے مہانڈری سے کاغان شہر تک کا علاقہ واقعی جنت بے نظیر ہے بلکہ ناران اور جھیل سیف الملوک وغیرہ سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ اس پر میں آگے چل کر گفتگو کرتا ہوں۔

لاہور سے نکلنے پر آپ موٹروے پر رستے میں کلر کہار انٹر چینج سے اتر کر کلر کہار جھیل میں تھوڑی دیر ٹھہر سکتے ہیں کہ یہاں جھیل کے علاوہ کچھ تاریخی مقامات بھی ہیں جو اپنے بچوں کو دکھا سکتے ہیں۔ اور جھولے بھی ہیں اور باغات اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی ہے۔ لیکن ایک گھنٹے سے زیادہ نہ ٹھہریں ورنہ لیٹ ہو جائیں گے۔ البتہ عوامی تعطیلات والے دنوں میں کلر کہار نہ رکیں کہ بہت رش پڑ جاتا ہے اور ایک گھنٹے کے چار گھنٹے لگ جائیں گے۔ کلر کہار سے نکلنے کے بعد اسلام آباد ٹول پلازہ سے نکلیں اور پشاور موٹروے کا رخ کر لیں یعنی اسلام آباد کے لیے موٹروے سے نہ اتریں بلکہ سیدھا ہی چلتے جائیں تو آپ پشاور موٹروے پر ہی ہیں۔

پشاور موٹروے پر برہان انٹر چینج سے دو چار کلو میٹر آگے ہزارہ ایکسپریس کے نام سے ایک ایگزٹ (exit) آئے گا۔[1] اس ایگزٹ سے موٹروے سے اتر کر ہزارہ ایکسپریس پر ہو جائیں جو کہ موٹروے ہی کی طرح کی شاندار روڈ ہے بلکہ موٹروے ہی ہے۔ ہزارہ ایکسپریس پر 44 کلو میٹر چلنے کے بعد شاہ مقصود انٹر چینج آئے گا، اس سے اتر جائیں۔ اور آپ کے سامنے E-35 نامی شاہراہ ہے جو کہ ایبٹ آباد جا رہی ہے۔ شاہ مقصود انٹر چینج تک آپ موٹروے پر سفر کر رہے تھے جبکہ اب یہ شاہراہ تھوڑی مشکل اور ٹریفک رش والی ہے۔ انٹر چینج سے اتر کر اس شاہراہ پر بائیں جانب مڑ جائیں اور ایبٹ آباد یہاں سے تقریباً 24 کلو میٹر ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ میں گیا تھا۔ ابھی حال ہی میں شاہ مقصود انٹر چینج سے آگے کی موٹروے بھی کھل چکی ہے اور یہ مانسہرہ تک چلی جاتی ہے۔ تو آپ مانسہرہ تک موٹروے پر سفر کو ترجیح دیں اگر تو آپ نے ایبٹ آباد میں ٹھہرنا نہیں ہے۔ شاہ مقصود انٹر چینج سے مانسہرہ بائے پاس 53 کلو میٹر ہے اور ایک گھنٹے کا رستہ ہے۔[2]

تو ایبٹ آباد کی بجائے مانسہرہ میں بھی آپ اپنا پہلا قیام کر سکتے ہیں۔ البتہ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ اپنا پہلا پڑاؤ "شوگران" میں کریں۔ یہ مانسہرہ بائے پاس سے 70 کلو میٹر کا فاصلہ ہے اور دو گھنٹے کا رستہ ہے۔ رستہ چونکہ پہاڑی ہے لہذا اس لیے وقت زیادہ لگ رہا ہے۔ لاہور سے شوگران تک 570 کلو میٹر کا رستہ ہے اور آٹھ گھنٹے میں طے ہو گا۔ لیکن یہ آٹھ گھنٹے گوگل میپس کے ہیں۔ اور اصلاً دس گھنٹے لگ جائیں گے کہ آپ نے دو چار جگہ ٹھہرنا بھی ہے۔ شوگران قیام کے لیے ایک خوبصورت جگہ ہے البتہ خاصی اونچائی پر ہے۔ لہذا آپ اپنی گاڑی پہاڑ کی چوٹی تک نہیں لے جا سکتے، بہت مشکل ہے۔ آپ کو نیچے پارکنگ ایریا میں ایک دو دن گاڑی پارک کرنے کی اجازت مل جاتی ہے لہذا وہاں اپنی گاڑی پارک کر کے اوپر پہاڑ پر جیپ کروا کے جا سکتے ہیں۔ پہاڑ پر ہوٹلز وغیرہ موجود ہیں کہ جن کی پہلے سے بکنگ بھی کروائی جا سکتی ہے۔ بکنگ کے لیے معروف ایپ (Booking.com) استعمال کریں۔ یہ ایپ آپ گوگل پلے اسٹور سے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔ تو پہلی رات شوگران میں ٹھہریں اور اس کے بعد اگلی صبح ناران کے لیے نکل جائیں۔

---

[1] یہ ایگزٹ لاہور سے تقریباً 400 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

[2] اگر آپ لاہور سے مانسہرہ تک موٹروے پر سفر کریں تو 500 کلومیٹر سفر تقریباً 6 گھنٹے کا ہے۔

ایک بات جو بطور احتیاط ذہن میں رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ چکری سے لے کر شاہ مقصود انٹر چینج تک تقریباً 120 کلو میٹر کے رستے میں کوئی پٹرول پمپ نہیں ہے لہذا چکری سے گزرتے ہوئے اپنا فیول ٹینک ضرور دیکھ لیں ورنہ بہت پریشانی ہو گی۔ میری رائے میں پہلا پڑاؤ ایبٹ آباد، مانسہرہ یا شوگران میں کریں اور ناران سے لاہور تک مسلسل سفر نہ کریں کہ یہ بہت تھکا دے گا۔ اور آپ ایگزاسٹ ہو جانے کی وجہ سے چڑ چڑے پن کا شکار ہو جائیں گے۔ عموماً میاں بیوی یا فیملیز جب مسلسل سفر کرتی ہیں تو سفر کی تھکاوٹ سے بچے بڑے سب ایگزاسٹ ہو جاتے ہیں کہ جس سے برداشت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح معمولی معمولی باتوں پر جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور آپ کی سیر آپ کے لیے زحمت بن جاتی ہے۔ اور وجہ سمجھ نہیں آ رہی ہوتی ہے حالانکہ وجہ صرف اور صرف تھکاوٹ ہوتی ہے کہ جس نے سب کا حوصلہ اور برداشت کم کر دیا ہوتا ہے۔

اس لیے مسلسل لمبے سفر سے حتی الامکان اجتناب کریں کہ اس سے بچے بھی تنگ ہوں گے۔ اور جب وہ تنگ ہوں گے تو آپ کو بھی تنگ کریں گے۔ ہم رات آٹھ بجے تک ایبٹ آباد پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد ہوٹل کی تلاش شروع ہوئی تو مقامی لوگوں سے پوچھا تو بعض لوگوں نے عثمانیہ گیسٹ ہاؤس کا مشورہ دیا۔ مختلف ہوٹلز سے ایک رات کا کرایہ معلوم کیا تو تین ہزار سے چھ ہزار تک تھا۔ میری رائے میں گیسٹ ہاؤسز کے کرایے ہوٹلز کی نسبت کم ہیں۔ عثمانیہ گیسٹ ہاؤس نیا بنا ہوا تھا اگرچہ نیا ہونے کی وجہ سے ابھی کچھ مسائل تھے جیسا کہ کپڑے لٹکانے کی کھونٹی نہیں تھی۔ کمرہ اور واش روم صاف ستھرا تھا، اے سی نہیں تھا لیکن کمرہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت بھی نہ تھی اور پنکھے سے بہت اچھا کام چل رہا تھا۔ وائے فائے اور گاڑی کی پارکنگ کی جگہ بھی تھی۔

ایک رات کا کرایہ انہوں نے 3500 بتلایا اور 3000 میں بات طے پا گئی لیکن صبح ہوٹل چھوڑتے وقت تین سو روپے سروس چارجز کے نام پر مانگ لیے۔ یہ واضح رہے کہ اس پورے علاقے میں سروس چارجز صرف کھانے پر ہیں، رہائش پر نہیں ہے لہذا میں نے اسے ادا تو کر دیے تھے لیکن یہ بات بعد میں معلوم ہوئی کہ یہ ہوٹل کے مالک کا تقاضا نہیں تھا بلکہ وہاں کے ملازمین کی ٹپ تھی۔ البتہ میں نے ہوٹل کے ملازم کو سروس چارجز دینے سے پہلے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ آئندہ ہر سیاح

اور کسٹمر کو کمرہ دیتے وقت سروس چارجز کا بھی بتلائے کیونکہ کانٹریکٹ اس وقت ہو رہا تھا جبکہ وہ کمرہ حاصل کر رہا تھا۔ اور ہوٹل چھوڑتے وقت کچھ اضافی چارجز بتلانا یا ڈالنا غیر اخلاقی حرکت ہے اور ان کے ہوٹل کی شہرت خراب کر سکتی ہے کیونکہ سیاحین نے واپس جا کر لوگوں کو فیڈ بیک دینا ہے۔

کمرے میں سامان رکھتے رکھتے رات دس بجے چکے تھے۔ ساڑھے دس بجے کھانے پینے کے لیے باہر نکلے اور دو سو میٹر کے فاصلے پر ایبٹ آباد-مانسہرہ روڈ پر کافی ہوٹلز موجود تھے۔ بچوں کو برگرز کھانے کو دل کر رہا تھا تو کبز کیفے میں رات گیارہ سے دو بجے تک کے وقت میں "بائے ون گیٹ ون فری" کی ڈیل لگی ہوئی تھی تو یہاں بیٹھ کر پیٹ پوجا کی۔ بچوں کے لیے انڈور (indoor) جھولے بھی موجود تھے، وہ بھی ریلیکس ہوئے۔ برگرز کا ٹیسٹ اچھا تھا اور کچھ مختلف بھی تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ایک اسٹور سے ضرورت کا کچھ سامان خریدا اور ہوٹل واپسی ہوئی۔ رات بارہ بجے سو گئے اور صبح پانچ بجے بیدار ہوئے۔ نماز پڑھنے کے بعد تیاری شروع کی اور سات بجے ہوٹل چھوڑ دیا اور ایبٹ آباد سے مانسہرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ایبٹ آباد اور مانسہرہ کے درمیان کا سفر کافی کم ہے تقریباً 24 کلومیٹر ہے۔ لہذا یہ ایک اعتبار سے سسٹر سٹیز (sister cities) ہیں لیکن یہ روڈ اپنے ٹریفک رش کے لیے بہت مشہور ہے۔ اگر رش بڑھ جائے تو یہ چند کلومیٹرز کا سفر گھنٹوں پر محیط ہو جاتا ہے۔

عموماً اس روڈ یعنی ایبٹ آباد-مانسہرہ روڈ پر صبح آٹھ نو بجے سے رش پڑنا شروع ہو جاتا ہے جو رات دس بجے تک جاری رہتا ہے۔ اگر آپ اس رش میں پھنس گئے تو بہت تھک جائیں گے لہذا اسے اوائڈ کرنے کی ممکن کوشش کریں۔ اور اس کی صورت یہی ہے کہ صبح سات بجے یا اس سے پہلے ایبٹ آباد سے گزر جائیں یا پھر رات دس بجے کے بعد گزریں۔ ہم چونکہ صبح سات بجے نکلے تھے اور اتوار کا دن بھی تھا لہذا روڈ بالکل خالی ملا اور آسانی سے مانسہرہ پہنچ گئے۔ مانسہرہ پہنچ کر مانسہرہ شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ مانسہرہ شہر سے پہلے ایک بائے پاس ہے، جو کہ پانچ کلومیٹر پر مشتمل ہے، اس کے ذریعے باہر باہر سے مانسہرہ کو کراس کریں اور اب آپ کی اگلی منزل بالاکوٹ ہے۔

بالاکوٹ سے کچھ پہلے سڑک کے ساتھ ساتھ دریائے کنہار شروع ہو جاتا ہے اور منظر بہت خوبصورت ہو جاتا ہے۔ یہ دریا ناران تک آپ کے ساتھ جائے گا اور ناران سے آگے جھیل لولوسر

سے شروع ہوتا ہے اور بالآخر دریائے جہلم میں جا گرتا ہے۔ بالا کوٹ کے بعد آبشاریں اور چشمے بھی شروع ہو جاتے ہیں اور بلا مبالغہ شاید 70 کے قریب ایسی آبشاروں اور چشموں سے ہمارا گزر ہوا ہوگا جو کہ سڑک کے کنارے تھے۔ آبشار دراصل پہاڑوں پر پگھلنے والی برف کا پانی ہوتا ہے اور چشمہ تو زمین سے پھوٹنے اور جاری ہونے والے پانی کو کہتے ہیں۔ آبشاریں بہت زیادہ ہیں لیکن چشمے کم ہیں۔ یہ اس لیے بتلا دیا کہ رستے میں اگر پینے کے پانی کی ضرورت پڑے تو چشمے کا پانی تو استعمال کر لیں جبکہ آبشار کے پانی سے میری رائے میں اجتناب کرنا چاہیے۔

پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہم نے ایک کام یہ کیا تھا کہ لاہور سے ایک بڑا کولر برفیں ڈال کر گاڑی کی ڈگی میں رکھ لیا تھا جو ناران تک چل گیا۔ ناران پہنچ کر آپ کو چشمے کا پانی مشکل سے ملے گا۔ سیاحین عام طور منرل واٹر استعمال کرتے ہیں۔ نیسلے کا منرل واٹر مہنگا ہے کہ ڈیڑھ لیٹر کی بوتل 60 سے 90 روپے میں ملے گی۔ اگر آپ عام اسٹور سے خریدیں گے تو وہ 60 روپے لگائیں گے اور اگر کہیں ریسٹورنٹ میں آپ نے کھانا کھایا تو وہاں یہ بوتل 80 سے 90 روپے میں لگے گی۔ آسان حل اور بچت بھی اسی میں ہے کہ اپنا پانی اپنے پاس رکھیں۔ صوفی کی پانچ لیٹر کی منرل واٹر کی بوتل 130 روپے کی تھی اور عام اسٹورز سے مل رہی تھی۔ وہ دو چار خرید لیں تو زیادہ بہتر ہے کہ پانی بہت استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر آپ نیسلے کے منرل واٹر پر رہے تو دو چار دنوں میں دو چار ہزار تو صرف پانی پر لگا دیں گے کہ آپ کا فیملی ٹور ہے اور فیملی میں بچے بھی شامل ہے اور پانچ افراد کی فیملی دن میں سات سے دس لیٹر پانی استعمال کر لیتی ہے۔ بہترین صورت صوفی کا منرل واٹر ہے اور دوسری قابل عمل صورت یہ ہے کہ بالا کوٹ سے ناران تک رستے میں کسی چشمے سے اپنا بڑا کولر بھر لیا جائے اور واپسی میں بھی ایسا ہی کر لیا جائے۔

5 اگست 2018ء بروز اتوار صبح سات بجے عثمانیہ گیسٹ ہاؤس ایبٹ آباد کو خیر آباد کہا اور ایبٹ آباد سے مانسہرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لاہور سے اسلام آباد، اس کے بعد ایبٹ آباد، اس کے بعد مانسہرہ، اس کے بعد بالا کوٹ، اس کے بعد کاغان اور اس کے بعد ناران یہ رستے کے نسبتاً معروف یا بڑے شہر ہیں۔ ایبٹ آباد سے بالا کوٹ کے رستے پر ایک ریسٹورنٹ میں ناشتا کیا۔ ریسٹورنٹ پر

سیاسی گفتگو منع ہے، کی تحریریں آویزاں تھیں لیکن اس کے باوجود گرما گرم سیاسی گفتگو جاری تھی۔ ناشتے میں پراٹھا، آملیٹ اور چائے تھی اور پہاڑوں کے دامن میں سڑک کے کنارے ناشتا کرنے کا اپنا لطف تھا۔ پانچ افراد کے ناشتے کا بل کوئی 500 روپے بنا کہ جس میں 10 فی صد سروس چارجز شامل تھے۔ ایبٹ آباد سے بالا کوٹ کے رستے میں کافی ہوٹلز ہیں لیکن زیادہ تر ایسے ڈھابے ہیں کہ جن میں صفائی ستھرائی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا لہٰذا نسبتاً کوئی صاف ستھرا ریسٹورنٹ دیکھ کر گاڑی کھڑی کریں کہ میرے مشاہدے کے مطابق ناران تک چھوٹے یا درمیانے درجے کے ہوٹلز کے کھانے پینے کے ریٹس عموماً ایک جیسے ہی ہیں۔

جیسے ہی آپ بالا کوٹ کے قریب پہنچتے ہیں تو دریائے کنہار سڑک کے بالکل قریب آجاتا ہے اور جابجا پہاڑوں کے دامن میں سے گزرتے ہوئے بہت ہی خوبصورت مناظر پیدا کرتا ہے۔ ایسے مناظر کو اپنے کیمرے کی آنکھ میں بند کریں۔ بالا کوٹ سے 20 کلومیٹر بعد وادی گھنول کا علاقہ شروع ہوتا ہے جو کہ کافی خوبصورت علاقہ ہے۔ یہاں آپ نیو آبشار وادی گھنول کے پوائنٹ پر ضرور ٹھہریں۔ یہاں ایک خوبصورت آبشار ہے جو پہاڑوں کے دامن سے نکل رہی ہے اور دو تین ڈھابے بنے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں اتفاقاً بچوں کے واش روم کے لیے رکے تھے لیکن بعد میں احساس ہوا کہ بابوسر ٹاپ تک ایسی آبشار دیکھنے میں نہیں ملی۔ یہ ایک بہت ہی پرسکون جگہ تھی اور ہم یہاں ایک گھنٹہ ٹھہرے رہے۔ آبشار کے پانی میں کرسیاں اور چارپائیاں لگائی گئی تھیں اور وہاں بیٹھ کر چائے اور پکوڑوں سے لطف اندوز ہوئے۔ پہاڑوں کے دامن میں بہتی آبشار میں فوٹوگرافی بھی کی۔

واضح رہے کہ ایک ایسا ہی پوائنٹ وادی گھنول سے تین کلومیٹر بعد کیوائی کے مقام پر بھی ہے لیکن وہاں سینکڑوں افراد موجود تھے لہٰذا زیادہ رش کی وجہ سے اس مقام کی فطرت باقی نہ تھی اور مجھے ذاتی طور رش میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ وادی گھنول کے پوائنٹ پر خال خال کوئی دو چار افراد رکتے تھے کہ سڑک سے گزرتے ہوئے اس کی خوبصورتی کا احساس نہیں ہوتا ہے اور صرف اسی کو ہو پاتا ہے جو گزرتے ہوئے کسی کام سے رکا اور پھر رکا ہی رہ گیا۔ سڑک کے اوپر اور سڑک کے نیچے پہاڑوں کے دامن میں صاف ستھری ٹھنڈے یخ پانی کی آبشار کے مناظر واقعتاً دیکھنے کے قابل ہیں۔

گوگل میپس کے مطابق ایبٹ آباد سے ناران تک کا فاصلہ 144 کلومیٹر ہے اور نان سٹاپ چلتے جائیں تو ساڑھے چار گھنٹے کا رستہ ہے۔ ہم ایبٹ آباد سے صبح سات بجے نکلے تھے اور شام چار بجے ناران شہر میں داخل ہوئے۔ رستے میں رک رک کر خوب انجوائے کرتے ہوئے سفر کیا۔ اگر انجوائے منٹ کے لیے سفر کرنا ہے تو ایبٹ آباد سے ناران تک آٹھ سے نو گھنٹے کا ذہن میں رکھیں۔

بالاکوٹ سے 42 کلومیٹر کے فاصلے پر مہانڈری کے نام سے ایک قصبہ ہے۔ اس قصبے سے کاغان کے قصبے تک کا علاقہ وادی کاغان کا خوبصورت ترین علاقہ ہے۔ واضح رہے کہ ناران بھی وادی کاغان کا ایک قصبہ ہے اور یہ وادی، ناران سے 70 کلومیٹر آگے بابوسر ٹاپ جو کہ اس علاقے کی بلند ترین چوٹی ہے، تک پھیلی ہوئی ہے۔ کاغان بھی دراصل وادی کاغان کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مہانڈری سے کاغان کے قصبے تک کا فاصلہ 17 کلومیٹر ہے۔ یہ علاقہ سیاحین کے تصرف سے ابھی بچا ہوا ہے لہذا ناولز اور شاعری میں مذکور وادی کاغان کی خوبصورتی اگر واقعتاً میں آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اس علاقے میں سڑک کے کنارے رک رک کر دیکھیں۔ کاغان کے قصبے کے بعد بابوسر ٹاپ تک آپ کو ایسا علاقہ اور خوبصورت مناظر دیکھنے کو نہیں ملیں گے۔ مہانڈری قصبے میں سڑک کے کنارے کنہار ویو ہوٹل ہے۔ ہوٹل اتنا صاف ستھرا نہیں تھا لیکن اس سے بہتر کوئی ہوٹل یہاں دیکھنے کو نہیں ملا، یہ ایک کمی تھی اور خوبی بھی، کیونکہ اگر یہاں کوئی اچھا ہوٹل بن گیا تو اس کی فطری حسن مانند پڑ جائے گا۔ اگر ہوٹل گزارے لائق معلوم ہو تو ایک رات اس میں قیام کر سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ مہانڈری کے ہوٹلز سہولیات میں ناران کے ہوٹلز جیسے نہیں ہیں۔ کنہار ویو والوں سے میں نے ایک کمرے کا کرایہ معلوم کیا تو وہ ایک رات کا دو ہزار کہہ رہے تھے اور پندرہ سو میں دے رہے تھے۔ کمرہ دیکھا تو اگرچہ ناران کے ہوٹلز جیسی صفائی ستھرائی نہیں تھی لیکن رہنے کے قابل تھا۔ واش روم صاف تھا، فرشی قالین البتہ گندہ تھا، بیڈ صاف تھا اور سامنے پہاڑوں کا ویو بہت خوبصورت تھا۔ وہ ایک وی آئی پی روم کا بھی کہہ رہے تھے جو پچیس سو کا تھا لیکن دو ہزار میں دے رہے تھے، وہ روم میں نہیں دیکھ سکا۔ لیکن قدرتی مناظر دیکھنے کے اعتبار سے یہ جگہ رہنے کے قابل ہے۔ ہوٹل میں رش نہ ہونے کے برابر تھا اور اسی وجہ سے کرایے ناران کی نسبت نصف تھے۔

مہانڈری سے ناران کی طرف جاتے ہوئے رستے میں بائیں طرف فیری میڈوز کے نام سے ایک ہوٹل آتا ہے جو صفائی اور ستھرائی میں بھی بہت عمدہ ہے اور قدرتی مناظر میں بھی خوبصورت ترین جگہ ہے لیکن مہنگا ہوٹل معلوم ہوا کہ ایک رات کا کرایہ 7500 مانگ رہے تھے۔

بہر حال شام ساڑھے تین بجے ناران کے قصبے میں داخل ہوئے اور ہوٹل کی تلاش شروع کی۔ آدھے گھنٹے بعد کنہار ویو کے نام سے ایک ہوٹل میں کمرہ لیا۔ ایک رات کا 4500 مانگ رہے تھے اور 4000 میں بات فائنل ہوئی۔ کمرہ لینے کے لیے میں یہاں زیادہ ورکنگ نہیں کر سکا کہ ایک تو فیملی ساتھ تھی اور دوسرا لمبے سفر کی تھکاوٹ تھی۔ میرا احساس یہ ہے کہ ہمارا ہوٹل چونکہ ناران کی مین شاہراہ یا بلیوارڈ یا مال روڈ پر تھا لہذا اس لیے مہنگا تھا۔ اگر تھوڑا سائیڈ پر کوئی ہوٹل دیکھ لیا جاتا یا کسی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہر لیا جاتا تو یہ کرایہ شاید تین ہزار یا کم از کم پینتیس سو تک آجاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناران میں پیک سیزن (peak season) جون اور جولائی کا مہینہ ہوتا ہے جبکہ اگست میں رش کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ستمبر تو تقریباً آف سیزن میں چلا جاتا ہے لہذا اگست میں کرایے نسبتاً کم ہوتے ہیں یا ہونے چاہییں۔ یہی کمرہ جو ہمیں اگست میں چار ہزار میں ملا، یہ جون جولائی میں چھ سے آٹھ ہزار تک چلا جاتا ہے۔

مری کے مال روڈ کی طرح ناران کے قصبے میں بھی ایک ڈیڑھ کلومیٹر کی مال روڈ ہے کہ جس پر چلتے ہوئے بالکل احساس نہیں ہوتا کہ آپ لاہور میں ہیں یا ناران میں۔ ایک طرف سردار مچھلی فروش والے کا ریسٹورنٹ ہے تو دوسری طرف پنجاب تکہ ہاؤس ہے۔ دوسرا ناران میں آپ کو سب سے زیادہ لاہوریے نظر آئیں گے۔ سیاحین میں بھی اور کاروباری حضرات میں بھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔ لاہور کے طرح طرح کے کھانے اور ذائقے آپ کو یہاں ملیں گے۔ ہوٹل کا کمرہ صاف تھا، واش روم بھی صاف تھا، گرم پانی بھی آ رہا تھا۔ قالین اور پردے پرانے تھے البتہ گزارا لائق تھے۔ وائے فائے اور پارکنگ کی جگہ موجود تھی۔ رہائش پر کوئی اضافی سروس چارجز نہیں تھے، بس وہی جو آپ خوشی سے ہوٹل کے عملے کو سو دو سو روپے ٹپ (tip) دے دیں کہ وہ اپنے رویوں سے اس کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

چار بجے کے قریب ہوٹل میں سامان رکھا۔ آدھ پون گھنٹہ آرام کیا، نمازیں پڑھیں اور ناران شہر گھومنے کے لیے باہر نکل گئے۔ یہ شہر یا قصبہ پہاڑوں کے دامن میں تقریباً ایک کلومیٹر کے رداس (radius) میں پھیلا ہوا میدانی علاقہ ہے کہ جس میں مقامی آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور ہوٹلز اور ریسٹورنٹ ہی ریسٹورنٹ ہیں یا پھر بازار اور دوکانیں ہیں۔ ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہے البتہ مہنگی ہے۔ کوشش کریں کہ ایبٹ آباد سے نکلتے ہوئے اپنی گاڑی کی ٹینکی فل کروالیں کہ رستے میں پٹرول پمپس نہیں ہیں البتہ لوگ ڈرموں میں پٹرول بیچتے ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ ناران میں بھی کوئی بڑا پمپ نہیں ہے البتہ دو چھوٹے چھوٹے سے پمپ ہیں کہ جن پر پانچ سات روپے مہنگا پٹرول ملتا ہے۔ آج کل پٹرول کا ریٹ لاہور میں پچانوے روپے لیٹر تھا جبکہ ناران میں سو روپے لیٹر مل رہا تھا۔ اور پھر پٹرول کے معیار کا کچھ علم نہیں تھا۔ پورے شہر میں بینک الاسلامی کے نام سے ایک ہی بینک اور اے ٹی ایم (ATM) مشین موجود ہے لہذا کوشش کریں کہ کیش اپنے پاس رکھیں اور اے ٹی ایم کے سہارے پر نہ رہیں ورنہ خراب ہوں گے۔

میں نے ناران میں اے ٹی ایم کارڈ کو استعمال کیا اور الحمد للہ کوئی پریشانی نہیں ہوئی لیکن رش کے دنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اے ٹی ایم مشین صرف ان لوگوں کے لیے کام کرتی ہے کہ جن کے پاس بینک الاسلامی کا ڈیبٹ کارڈ ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے بیگم صاحبہ نے ایک اور کام کیا تھا اور اس کا بہت فائدہ ہوا کہ انہوں نے کچھ چادریں اور کمبل پکڑ لیے تھے۔ ہوٹلز کے بستر اور چادریں اتنی صاف ستھری نہیں ہوتی ہیں کہ روزانہ معلوم نہیں کتنے لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں۔ اور پھر ہوٹلز کے بستر دِکھنے میں بھی اچھے معلوم نہیں ہوتے تھے لہذا ہم نے بیڈ پر اپنی چادریں اور کمبل بچھا لیے تھے۔ ہوٹل کے کمرے میں ایک ڈبل بیڈ تھا۔ وہ میٹرس بھی دے رہے تھے لیکن وہ گندا تھا۔ ہم نے اسی بیڈ کے بھاری کمبل کو نیچے قالین پر بچھایا جو کہ نسبتاً صاف تھا اور اس پر اپنے گھر کی چادریں ڈال کر بچوں کا میٹرس بنالیا۔ اگست کے پہلے ہفتے میں ناران میں زیادہ سردی نہیں تھی۔ ہم اور بچے جیکٹس کے بغیر باہر نکل جاتے تھے بلکہ میں توٹراؤزر اور آدھے بازوؤں والی شرٹ میں بھی رات کو باہر گھوم لیتا تھا۔ اور اتنی گرمی بھی نہیں ہے کہ اے سی یا پنکھے کی ضرورت پڑے لہذا ہوٹل میں پنکھا بھی

نہیں لگا ہوا تھا۔

ناران میں پہلے دن جب رات کچھ کھانے کو نکلے تو دریا کے کنارے پنجاب تکہ ہاؤس میں گھس گئے۔ کافی ریسٹورنٹس کے باہر خاص چپلی کباب کے بورڈ آویزاں تھے، کہیں پشاور کے چپلی کباب تو کہیں گڑھی حبیب اللہ کے چپلی کباب۔ ناران کے ریسٹورنٹس میں ایک خاص ڈش ٹراؤٹ مچھلی کی بھی ہے جو دریائے کنہار سے پکڑی جاتی ہے۔ وہ کھانے کو دل تھا لیکن بیگم صاحبہ کو مچھلی سے الرجی ہے کہ شاید ہی زندگی میں کبھی کھائی ہو اور بچوں کو بھی پسند نہیں لہٰذا ہم لاہوریوں کے لیے ٹراؤٹ مچھلی کے علاوہ ناران میں کچھ نیا کھانے کو تھا تو وہ چپلی کباب تھے۔ باقی تکہ، بروسٹ، سجی اور کڑاہی وغیرہ تو یہ لاہوریوں کے لیے کم از کم کوئی نیا کھانا نہیں ہے البتہ ہر جگہ دستیاب تھا۔ چپلی کباب تھے تو مزے کے لیکن بیگم صاحبہ نے چونکہ کبھی بڑا گوشت بھی نہیں کھایا تھا لہٰذا انہیں رات بھر تنگی ہوئی۔ اس لیے مشورتاً عرض ہے کہ جو لوگ بڑا گوشت کھانے کے عادی نہ ہوں تو وہ اس کھانے سے پرہیز ہی کریں۔

رات گیارہ بجے ہوٹل واپسی ہوئی اور اگلے دن بابو سر ٹاپ جانے کا پروگرام بنا کر سو گئے۔ صبح اٹھ کر نماز پڑھی اور پھر تھوڑی دیر سو گئے اور پھر سات بجے بیدار ہو کر بابو سر ٹاپ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ ہم استری ساتھ لے گئے تھے۔ راقم نے بچوں کے اور اپنے کپڑے استری کیے اور بیگم صاحبہ نے اتنی دیر میں بچوں کو نہلایا دھلایا اور دوسرے کام سمیٹے۔ نو بجے ہوٹل سے تیار ہو کر اپنی گاڑی میں نکلے۔ ناران سے بابو سر ٹاپ تک تقریباً 70 کلومیٹر کا فاصلہ ہے اور اگر نان سٹاپ جائیں تو دو سے تین گھنٹے جانے کے اور اتنا ہی وقت واپس آنے میں درکار ہے۔ ہم چونکہ یہ طے کر چکے تھے کہ ہم نے سفر برائے سفر نہیں کرنا بلکہ رستے میں رک رک کر جانا ہے لہٰذا ہم صبح نو بجے بابو سر ٹاپ کے لیے نکلے اور شام چھ بجے واپس ہوٹل پہنچے یعنی یہ ایک مکمل دن کا ٹور تھا۔ بابو سر ٹاپ اس علاقے کی بلند ترین چوٹی ہے جو کہ سطح سمندر سے تقریباً چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے جبکہ ناران سات ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ یعنی بابو سر ٹاپ کی بلندی ناران سے بھی دگنی ہے اور اس سے آپ رستے کی چڑھائی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بابو سر ٹاپ جاتے ہوئے رستے میں ایک جھیل آتی ہے جسے لولو سر جھیل کہتے ہیں۔ یہ جھیل اپنی خوبصورتی میں کمال ہے۔ دریائے کنہار اسی جھیل سے نکلتا ہے۔ یہ جھیل، سیف الملوک جھیل سے بہت خوبصورت اور صاف ستھری ہے۔ جھیل سیف الملوک تو اس وقت کچرے کا ڈھیر بن چکی ہے۔ جس نے بھی ایوبیہ کی چیئر لفٹ اور اس کے پہاڑوں کا وزٹ کیا ہو تو اسے میری اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کچرے کے ڈھیر سے کیا مراد ہے؟ جھیل سیف الملوک کا پانی گدلا ہو چکا ہے۔ جا بجا پوٹیاں، بچوں کے پیمپرز، شاپنگ بیگز، پیپسی کے پلاسٹک کے گلاسز وغیرہ بکھرے پڑے ہیں۔ پھر جھیل سیف الملوک سے پہلے جو بازار وہاں کے مقامی لوگوں نے لگا دیا ہے تو اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس وقت کی جھیل سیف الملوک کی خوبصورتی کے قصیدے کوئی اسٹوپڈ ہی پڑھ سکتا ہے کہ جس کی حس جمال پوٹی اور خوبصورتی میں فرق کرنے سے بھی رہ گئی ہو۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جہاں جہاں انسان کے قدم زیادہ لگے ہیں، وہ جگہ گندگی اور کچرے کا ڈھیر بن گئی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ برفباری میں یہ سارا گند چھپ جاتا ہو تو اس وقت آپ جھیل سیف الملوک کی خوبصورتی کو سراہ سکیں۔ میں کچھ تصاویر شیئر کروں گا کہ جو جھیل سیف الملوک سے نکلنے والے ایک چشمے کی تصاویر ہیں جو ناران سے گزرتا ہے اور بہت ہی خوبصورت قدرتی منظر ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس تصویر میں میرے دو فٹ کے فاصلے پر آگے پیچھے چشمے کے ہر طرف پوٹیاں پڑی ہیں۔ تو جھیل سیف الملوک کسی زمانے میں ویسی ہی خوبصورت ہو گی جیسا کہ "جنت کی تلاش" کے مصنف نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ لیکن اب کی جھیل سیف الملوک کی میں اس لیے تعریف کروں کہ میں نے بچپن میں اپنی نصابی کتاب میں اس کی خوبصورتی پر ایک سبق پڑھا تھا تو بھئی میں ایسا اندھا مقلد ہرگز نہیں ہوں۔ جو چیز خوبصورت ہے، اسے خوبصورت کہیں گے۔ اور جو نہیں ہے، اسے نہیں کہیں گے۔ بھلے دنیا کہے اور اس وجہ سے کہے کہ سارے ہی کہہ رہے ہیں کہ خوبصورت ہے تو خوبصورت ہو گی تو کہہ رہے ہیں۔ کسی ایک کو تو بات کرنی چاہیے کہ ہم نے بطور انسان اس سر زمین کی خوبصورت ترین جگہوں کو گندگی کے ڈھیروں میں تبدیل کر دیا ہے اور اب بھی ہم مصر ہیں کہ یہ خوبصورت ترین جگہیں ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ جھیل سیف الملوک نہ جائیں، ضرور جائیں۔ لیکن اس بات کی کوشش کریں کہ اس علاقے کو اس کا کھویا ہوا حسن واپس مل جائے۔ اور وہ اسی صورت ممکن ہے جبکہ اس علاقے میں انسانوں کا استحصالی تصرف کم سے کم کیا جائے۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بابو سر ٹاپ کے رستے میں ایک بہت ہی خوبصورت جھیل ہے کہ جسے لولو سر جھیل کہتے ہیں اور یہ دیکھنے کے لائق ہے۔ بابو سر ٹاپ جاتے ہوئے اور واپس آتے وقت اس جھیل میں کم از کم آدھ گھنٹہ ضرور ٹھہریں، فوٹو گرافی کریں۔ یہ جھیل بالکل سڑک کے کنارے ہے۔ جھیل کا پانی سبزی مائل ہے اور جھیل پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ لولو سر، سیف الملوک سے لمبائی میں زیادہ ہے لیکن چوڑائی میں کم ہے۔ بابو سر ٹاپ جاتے ہوئے رستے میں بہت سی آبشاریں اور چشمے آپ کو ملیں گے جن میں سے اکثر بہت ہی صاف ستھرے ہیں لہذا وہاں کچھ دیر ٹھہریں اور وقت گزاریں۔

بابو سر ٹاپ کی چڑھائی کچھ خطرناک ہے لہذا نئے ڈرائیور حضرات احتیاط کریں۔ دوسرا یہ کہ چھوٹی گاڑی مثلاً مہران وغیرہ کو بہت سی جگہوں پر دھکا لگانا پڑتا ہے۔ اس لیے فیملی کو مہران وغیرہ میں لے کر نہ جائیں ورنہ خوار ہوں گے۔ البتہ اگر دو چار دوست ہیں تو پھر میں نے دیکھا ہے کہ دو تین دھکا لگاتے ہیں اور ایک اندر بیٹھا رہتا ہے اور کام کسی حد تک چل جاتا ہے لیکن ٹاپ پر میں نے کوئی مہران ٹائپ گاڑی نہیں دیکھی۔

تیسری احتیاط جو ڈرائیونگ میں کرنے کی ہے، وہ یہ کہ ٹرک وغیرہ جو آپ کے سامنے سے یعنی مخالف سمت سے آ رہے ہوں تو موڑ پر انہیں چونکہ مڑنے کے لیے زیادہ جگہ چاہیے ہوتی ہے لہذا موڑ پر وہ آپ کے عین سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ بالکل صحیح اوپر چڑھائی چڑھ رہے ہیں، اپنی گاڑی کو بائیں طرف رکھتے ہوئے لیکن سامنے سے آتا ہوا ٹرک بھی بائیں طرف سے نیچے اتر رہا ہوتا ہے۔ اب اچانک کسی موڑ پر آپ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ اب آپ نے اپنی گاڑی پیچھے دائیں طرف کرنی ہے اور ٹرک کو بائیں طرف سے ہی گزرنے کی جگہ دینی ہے اور پھر اپنی گاڑی بائیں طرف کر کے اوپر چڑھائی چڑھنی ہے۔ چڑھائی چڑھتے وقت بریک لگانا خطرناک کام ہے لیکن مجبوری کے وقت ایسا کرنا پڑے گا اور بریک لگاتے ہی ہینڈ بریک

کھینچ لیں۔ پھر گاڑی کو بیک گیئر یا پہلے گیئر میں ڈال کر تھوڑی سی ریس دے کر اور پھر آہستہ آہستہ ہینڈ بریک نیچے کر کے اس کو آگے پیچھے کریں۔

بابو سر ٹاپ پر نسبتاً سردی زیادہ تھی لیکن جیکٹس کے بغیر بھی گزارا ہو سکتا تھا۔ پہاڑوں پر کچھ تھوڑی بہت برف موجود تھی لیکن اس پر بھی مٹی کی تہہ جم چکی تھی۔ ٹاپ پر کچھ واش رومز اور ڈھابے موجود ہیں اور سڑک کے کنارے ہی گاڑیوں کی لمبی پارکنگ موجود تھی۔ بہر حال ڈرائیور حضرات کے لیے بابو سر ٹاپ تک کا سفر ایک ایڈوینچر ضرور ہے۔ ناران سے بابو سر ٹاپ تک کے رستے میں پہاڑ زیادہ تر خشک ہیں، کہیں کہیں سبزہ بھی ہے لیکن درخت بہت ہی کم ہیں، البتہ آبشاریں کافی ہیں۔ اگر پہاڑوں کی خوبصورتی کا موازنہ کریں تو مہانڈری سے کاغان تک کے پہاڑ ان پہاڑوں کی نسبت بہت خوبصورت ہیں۔ البتہ ناران سے بابو سر ٹاپ جاتے ہوئے کہیں کہیں پہاڑوں اور دریا کے ساتھ منظر بہت دلکش ہو جاتا ہے۔

جہاں تک بابو سر ٹاپ کی بات ہے تو اس کے بارے میری رائے یہ ہے کہ یہ دیکھنے ایک مناسب جگہ ہے لیکن میرے نزدیک کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اگر یہاں شروع جولائی میں اس وقت جایا جائے جبکہ پہاڑوں پر کافی برف موجود ہو تو بہت حسین منظر ہو گا۔ تو ان پہاڑوں کی اصل خوبصورتی برف کے ساتھ ہے کہ یہ اصلاً سر سبز پہاڑ نہیں ہیں۔ ہم سمیت زیادہ تر لوگ اس طرف برف دیکھنے آتے ہیں لیکن اگست میں اس کا نام ونشان نہیں تھا اور ہر طرف خشک پہاڑ تھے۔ مقامی لوگوں نے بتلایا کہ بابو سر ٹاپ پر برفباری ستمبر میں شروع ہوتی ہے لیکن بابو سر ٹاپ اکتوبر میں بند کر دیا جاتا ہے اور پھر جون تک بند رہتا ہے۔ ایک امکان یہ ہے کہ آپ جولائی کے شروع میں وزٹ کریں تو آپ کو برف ملے اور آپ ان پہاڑوں کی خوبصورتی کو سراہ سکیں۔

بہر حال ناران سے بابو سر ٹاپ جاتے ہوئے رستے میں ایک ہوٹل پر ناشتا کیا، بہت مزا آیا۔ رستے میں کچھ پھل بھی خریدے،، بہت ہی تازہ تھے۔ میں نے کسی کا یہ جملہ پڑھا تھا کہ وادی کاغان کی اصل خوبصورتی ناران کے بعد شروع ہوتی ہے تو مجھے اس بات سے بالکل بھی اتفاق نہیں ہے۔ وادی کاغان کی اصل خوبصورتی کاغان سے پہلے پہلے تک ہے، اور اس کے بعد بتدریج کم ہوتی چلی جاتی

ہے۔ بابو سر ٹاپ سے واپسی پر لولو سر جھیل پر دوبارہ رکے، کئی ایک آبشاروں پر قیام کیا اور مون ریسٹورنٹ پر کھانا کھایا۔

مون ریسٹورنٹ بھی پورا ڈرامہ ہے، اس اعتبار سے کہ بالاکوٹ کے بعد سے لے کر بابو سر ٹاپ تک ہر دوسرے موڑ پر آپ کو مون ریسٹورنٹ کی ایڈورٹزمنٹ ملے گی کہ ایک سیاح بے چارہ سوچ سوچ کر ہی تھک جاتا ہے کہ ناران میں مون ریسٹورنٹ کے علاوہ بھی کوئی ریسٹورنٹ ہے یا نہیں۔ بہر حال کھانا مزے کا تھا اگرچہ مہنگا تھا۔ مون ریسٹورنٹ کی ایک شاخ اسلام آباد میں ہے، دوسری ناران میں اور تیسری ناران سے بابو سر ٹاپ جاتے ہوئے رستے میں آتی ہے۔ ریسٹورنٹ صاف ستھرا تھا، واش رومز بھی تھے، مسجد بھی اور بچوں کے جھولے بھی لہذا یہاں رک کر کھانا کھانا مناسب سمجھا۔ ناران میں مون ریسٹورنٹ کے ایک اشتہار کی بڑے شوق سے تصویر لی کہ جس پر لکھا تھا کہ بالآخر مون ریسٹورنٹ مل ہی گیا۔

ناران کے دوسرے دن شام چھ بجے کے قریب بابو سر ٹاپ سے ہوٹل واپسی ہوئی۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور ساتھ ہی دوبارہ گھومنے کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے۔ اب کی بار منزل ناران سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بابو سر ٹاپ کے رستے پر بوٹنگ کا پوائنٹ تھا۔ یہ بھی بہت ہی خوبصورت مقام اور پکنک سپاٹ ہے کہ یہاں دریائے کنہار کی چوڑائی بہت بڑھ جاتی ہے۔ فی کس بوٹنگ کی قیمت پانچ سو روپے تھی اور لائف جیکٹس پہنا کر چلتے دریا میں ایک پوائنٹ سے دوسرے پوائنٹ تک بوٹنگ کروائی جاتی ہے۔ کچھ سیاح اپنے ساتھ سلنڈر اور چائے کا سامان لا کر چائے بنا رہے تھے۔ ہم بھی اگرچہ سلنڈر ساتھ لے گئے تھے لیکن چائے یا کچھ اور بنانے کا موقع اور وقت نہیں مل پایا۔ بس یہ سلنڈر زیادہ تر چھوٹے بچے عروہ کی کھچڑی بنانے کے لیے استعمال ہوتا تھا کہ اس کا پیٹ مسلسل خراب رہتا ہے۔ بہر حال ہر جگہ چائے کا کپ پچاس روپے میں مل جاتا ہے لیکن دریا کے کنارے خود سے چائے بنانا بھی ایک انجوائے منٹ ہے کہ جن کے حالات ہوں، انہیں ضرور اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔

مغرب کے بعد ہوٹل واپسی ہوئی۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر شاپنگ کے لیے نکل کھڑے

ہوئے۔ناران میں چیزیں لاہور کی نسبت مہنگی ہیں لہذا زیادہ خریداری کرنا عقلمندی نہیں ہے۔باقی جو تھوڑی بہت خریداری کرنی ہے تو ایک تو علاقائی چیزیں خریدیں جو کہ آپ کو لاہور میں نسبتاً مہنگی پڑیں گی اور دوسرا بھاؤ تاؤ ضرور کریں۔میں نے اپنے لیے ایک گرم چادر خریدی۔دوکاندار نے تین قسم کی چادریں دکھائیں۔ایک چودہ سو میں تھی،ایک دوہزار میں اور ایک بائیس سو میں جو کہ سب سے اچھی تھی۔بائیس سو والی ہم نے پندرہ سو میں خریدی جو لاہور میں شاید پچیس سو میں ملے گی۔ بیگم صاحبہ نے پشمینہ کی شال خریدی کہ جس کی قیمت عام طور دوکاندار پینتیس سو بتلارہے تھے اور ستائیس سو پر اٹک جاتے تھے۔ایک دوکاندار سے ہم نے دو چادریں چار ہزار میں خرید لیں۔بچوں کے کھلونے خریدے تو بڑے بچے کو ایک دور بین پسند آئی کہ جس کے دوکاندار پانچ سو مانگ رہا تھا تو تین سو میں فائنل ہوئی۔بچوں کی سیلوں سے چلنے والی ایک گاڑی جو میں نے لاہور میں وکٹوریا سپر اسٹور سے ساڑھے پانچ سو میں لی تھی،وہی وہاں گیارہ سو میں مل رہی تھی۔

تو بچوں کے ٹوائز کم سے کم خریدیں اور جو خریدیں تو کوشش کریں کہ نصف قیمت تک بھاؤ تاؤ کریں۔اور دوسرا یہ کہ گرم چادریں یا شالز وغیرہ خرید لیں کہ یہ آپ کو لاہور کی نسبت سستی بھی پڑیں گے اور اور یجنل بھی مل جائیں گی۔شاپنگ اور آؤٹنگ سے رات دس بجے ہوٹل واپسی ہوئی اور اگلے دن جھیل سیف الملوک کا پروگرام بنا کر سو گئے۔ہوٹل والوں سے بات ہوئی تو انہوں نے بتلایا کہ ان کے پاس اپنی جیپیں ہیں جو دوہزار میں جھیل سیف الملوک لے جاتی ہیں۔بازار سے معلوم کیا تو ایک دو ڈرائیور حضرات نے بتلایا کہ عام کرایہ تو پچیس سو ہے لیکن وہ اٹھارہ سو میں چلے جائیں گے۔ ہم نے ہوٹل کی جیپ کے ذریعے جانا پسند کیا کہ اس میں حفاظت کا پہلو زیادہ تھا کہ عموماً جیپوں کے ڈرائیور نوخیز نوجوان ہوتے ہیں جو خطرناک ٹریک پر جیپ چلانے سے زیادہ دوڑانے کے شوقین ہوتے ہیں جیسا کہ بعد میں جھیل سیف الملوک جاتے ہوئے مشاہدے میں بھی آیا۔پس صبح کے لیے ہوٹل کی جیپ والے کو ساڑھے آٹھ بجے کا ٹائم دے دیا اور سو گئے۔

ناران کے تیسرے دن جھیل سیف الملوک وزٹ کرنے کا پروگرام تھا۔جیپ والے کو ساڑھے آٹھ کا ٹائم دیا ہوا تھا۔صبح بیدار ہو کر فجر کی نماز پڑھی،بچے سو رہے تھے،بیگم صاحبہ کو ساتھ لیا اور

نماز کے بعد ناران کے اس مقامی چشمے کا رخ کیا جو جھیل سیف الملوک سے نکل رہا تھا۔ یہ چشمہ ہوٹل سے کوئی پانچ سو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ ایک آدھ گھنٹہ چشمے کے کنارے بیٹھ کر بپھرتے پانی کی موسیقی اور صبح کی تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوئے۔ سامنے پہاڑوں پر بادل اترتے دکھائی دے رہے تھے اور منظر بہت ہی خوبصورت اور دلکش تھا۔ لیکن سیاحین نے چشمے کے ارد گرد کو گندگی اور نجاست سے آلودہ کرر کھا تھالہذا زیادہ دیر ٹھہرنا ممکن نہیں تھا۔

چشمے سے واپسی پر ایک ہوٹل میں پراٹھا، آملیٹ اور چائے سے ناشتا کیا۔ اس علاقے میں عموماً پراٹھے پوڑی کی طرح گھی میں تلے جاتے ہیں لہذا ان کا اپنا ہی ذائقہ ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے ناشتا پیک کروایا۔ چائے ملک پیک کے ایک ڈبے میں پیک کروائی اور ہوٹل واپس آ گئے۔ کھانا پیک کروانے کے بارے یہ ذہن میں رہے کہ عموماً کھانا یہاں جلد خراب ہو جاتا ہے لہذا زیادہ دیر تک کی پیکنگ نہیں چلتی ہے۔ بابوسر ٹاپ سے واپسی پر ہم نے مون ریسٹورنٹ سے چکن کڑاہی لی تھی جو کہ بچ گئی تو میں نے پیک کروالی تھی کہ شاید رات کے کھانے میں کام آ جائے اور ہم سلنڈر پر اسے گرم کر لیں گے لیکن رات تک وہ خراب ہو چکی تھی۔ اس کی وجہ موسم ہے یا خود کھانا، یہ میرے علم میں نہیں۔ لہذا جو کھانا آڈر کر دیا ہے، کوشش کریں کہ اسے ختم کریں۔ اور جو پیک بھی کروانا ہے تو اسے ایک دو گھنٹوں سے زیادہ کے لیے پیک نہ کروائیں۔

ہوٹل واپسی پر بارش کا موسم ہو رہا تھا لہذا دو چھتریاں پکڑیں، بچوں کو تیار کیا، ناشتا کروایا اور ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑ دیا۔ ہمارے جیپ ڈرائیور ایک بزرگ شخص تھے اور تبلیغی جماعت میں ان کا وقت لگ چکا تھا۔ چونکہ میرا بھی کچھ وقت لگا ہوا تھا لہذا ذہنی مناسبت ہو گئی اور خوب گپ شپ رہی۔ بابا جی نے پوچھنے پر بتلایا کہ اس جیپ کا انجن 2800cc ہوتا ہے اور یہ آرمی سے نیلامی میں خریدی جاتی ہے۔ ایک اچھی جیپ نیلامی میں ایک سے ڈیڑھ لاکھ میں مل جاتی ہے لیکن اس پر پھر مزید پانچ سے ساتھ لاکھ خرچنے پڑتے ہیں۔ ناران سے جھیل سیف الملوک کا سفر تیرہ کلومیٹر کا ہے جو سیدھی پہاڑ کی چڑھائی ہی چڑھائی ہے۔ اور یہ سفر تیز رفتاری میں آدھ گھنٹے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پون گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے۔ ہمارے جیپ ڈرائیور نے آتے ہوئے بھی اور جاتے

ہوئے بھی پون گھنٹہ لگایا۔ عموماً جیپ ڈرائیور دو گھنٹوں تک وہاں رکنے کی اجازت دیتے ہیں اور آپ کی واپسی اسی جیپ ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔

جھیل سیف الملوک تک اپنی گاڑی لے کر جانا ناممکن ہے۔ اس کی وجہ سڑک بھی ہے اور چڑھائی بھی۔ بابا جی نے بتلایا کہ ناران سے جھیل تک تیرہ کلومیٹر کی سڑک نواز شریف صاحب نے بنوائی تھی اور بہت اچھی سڑک تھی کہ جس میں سریا بھی ڈالا گیا تھا لیکن پہاڑوں پر برف پگھلنے کی وجہ سے مسلسل پانی کی آمدورفت کے سبب سے سڑک کا نام ونشان تک مٹ گیا تھا۔ اور اب سڑک کے نام پر ایک ایسا کچا روڈ تھا کہ جس میں گڑھے ہی گڑھے تھے۔ البتہ کہیں کہیں پچاس ساٹھ میٹر کا کوئی ٹکڑا آجاتا تھا جو پرانی سڑک کی یاد تازہ کروادیتا۔ رستے میں ایک دو پجیرو اور پراڈو دیکھیں جو پہاڑ پر چڑھ رہی تھیں تو اگر اپنی جیپ فور بائے فور ہو تو وہ اوپر لے جائی جاسکتی ہے، کوئی دوسری گاڑی نہیں۔ اوپر پہاڑ پر موبائل کے سگنلز نہیں ہیں، لہٰذا موبائل لے جانے کا فائدہ نہیں ہے بلکہ ناران اور اردگرد کے علاقے میں بھی عموماً سگنلز کام نہیں کرتے ہیں۔

جھیل سیف الملوک کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت جھیل تھی یا ہوسکتی ہے لیکن اب سیاحین نے اس کے اردگرد ماحول کو اس قدر کچرے سے بھر دیا ہے کہ اس کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہے۔ جھیل سے پہلے مقامی لوگوں نے ایک بازار لگا دیا ہے کہ جس سے صفائی کا معیار اور گر گیا ہے۔ اور رہی سہی کسر ڈسپوزیبل (disposable) برتنوں نے پوری کر دی ہے۔ اور پلاسٹک کا کچرا ایسی چیز ہے کہ خود سے ختم بھی نہیں ہوتا جب تک کہ اسے ٹھکانے نہ لگا دیا جائے۔ ناران شہر میں البتہ کسی قدر صفائی کا انتظام موجود ہے کہ صبح صبح محکمے کی طرف سے ایک ڈمپر آتا ہے اور پورے شہر کا گند اٹھا کر لے جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ناران کو صاف ستھرا شہر کہنا مشکل ہے حالانکہ بہت ہی چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اور شہر کے علاوہ اردگرد کے پکنک کے مقامات پر صفائی کا انتظام تو بالکل بھی دیکھنے کو نہیں ملا۔

جھیل سیف الملوک میں کشتی رانی کی۔ آدھی جھیل کی بوٹنگ کے لیے سات سے آٹھ سو روپے مانگ رہے تھے، ایک ملاح سے پانچ سو میں بات ہوئی۔ یہ پانچ سو فی کس کے افراد سے نہیں

بلکہ پوری کشتی کے اعتبار سے تھا لہذا میری رائے میں کافی مناسب ریٹ تھا۔ پوری جھیل کا چکر لگوانے کے لیے ہزار پر بات فائنل ہو رہی تھی لیکن بعد میں احساس ہوا کہ پوری جھیل کا چکر لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کشتی میں ملاح نے چھوٹا سا سولر پینل لگا رکھا تھا۔ پوچھنے پر بتلایا کہ اس کے ذریعے شائقین کے لیے میوزک چلاتا ہوں۔ بوٹنگ کے ساتھ جھیل پر کچھ تصاویر لیں اور کچھ پیٹ پوجا کی۔ جھیل پر گھڑ سواری کا بھی انتظام تھا۔ ایک گھوڑا پہاڑ کی پشت پر بہت ہی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور اس کی تیز رفتاری دیکھ کر بہت حیرانگی ہوئی کہ جیسے کوئی فلمی سین ہو۔ دو گھنٹے گزارنے کے بعد واپس جیپ میں آ گئے۔ جیپ وہیں کھڑی تھی جہاں ہم چھوڑ کر گئے تھے۔ جیپ کے ذریعے ہوٹل واپسی ہوئی۔ ہوٹل واپسی پر ہوٹل والوں کو چارجز کی ادائیگی کی جو کہ دس ہزار بنے تھے، دو راتوں کا کرایہ آٹھ ہزار اور جیپ کا کرایہ دو ہزار۔ اس کے بعد سامان پیک کیا، ہوٹل کو خیر آباد کہا، گاڑی نکالی، اور واپسی کے رستے شوگران کا رخ کیا۔

ناران کے تیسرے دن دوپہر ایک بجے ہوٹل کو خیر آباد کہا۔ یہ واضح رہے کہ ہوٹل میں عموماً چیک اِن (check-in) کا وقت 02:00pm ہوتا ہے اور چیک آؤٹ (check-out) 12:00 pm یا 01:00 pm ہوتا ہے۔ آپ اپنا رہائش کا پلان اس کے اعتبار سے ترتیب دیں۔ آپ نے ہوٹل لینا ہے تو آپ دوپہر دو بجے یا اس کے بعد لے سکتے ہیں اور اگلے دن بارہ یا ایک بجے تک قیام کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح آپ سے ایک دن کا کرایہ چارج کیا جائے گا۔ اور اگر آپ نے ہفتے کی رات ہوٹل دس بجے لیا اور اگلے دن اتوار کی شام چار بجے ہوٹل چھوڑا تو آپ کو دو دن کا کرایہ پڑ جائے گا، چاہے آپ نے ہوٹل میں اٹھارہ گھنٹے قیام کیا ہو یعنی چوبیس گھنٹے سے بھی کم۔

ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب نے دو جگہوں کے وزٹ کا مشورہ دیا تھا؛ ایک لالہ زار اور دوسرا شوگران۔ میرے پاس وقت کم تھا کہ کچھ یونیورسٹی کی اسائنمنٹ مکمل کرنی تھی لہذا لالہ زار تو وزٹ نہ کر سکا لیکن شوگران واپسی میں رستے میں پڑتا تھا لہذا اس کو وزٹ کرنے کی ٹھان لی۔ بالا کوٹ سے ناران جانے والی سڑک پر 28 کلومیٹر کے بعد ایک رستہ اوپر پہاڑ کی طرف نکلتا ہے کہ جہاں شوگران کا بورڈ بھی آویزاں ہے۔ ناران جاتے ہوئے یا واپسی میں اکثر لوگ اسے وزٹ کرتے ہیں۔

شوگران در اصل بالا کوٹ-ناران مین روڈ سے اوپر سات کلو میٹر پہاڑ کی چڑھائی ہے۔ رستہ کافی دشوار ہے۔ اسی طرح شوگران سے پھر آگے چھ کلو میٹر پہاڑ کی چڑھائی ہے اور سری پایہ کے نام سے ایک مقام ہے کہ جس کے بارے معروف ہے کہ وہ شوگران سے بھی خوبصورت مقام ہے۔ واپسی میں شوگران کے موڑ کے قریب مین روڈ پر گاڑی روکی تو یہاں کافی جیپیں کھڑی تھیں جو اوپر شوگران لے کر جا رہی تھیں۔ مین روڈ سے شوگران تک کا کل سفر سات کلو میٹر کی چڑھائی تھی اور جیپ والے اس کے لیے آنے جانے کا 2500 مانگ رہے تھے اور اس سے کم پر نہیں آ رہے تھے۔ یہاں ان کی ایسوسی ایشن بنی ہوئی تھی اور وہی کسٹمر سے ڈیل کرتی تھی اور ڈرائیور کو کرایہ کم کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اوپر کیری ڈبے بھی جا رہے تھے، ان سے معلوم کیا تو وہ آنا جانا اور وہاں دو گھنٹے رکے رہنے کے 1500 مانگ رہے تھے۔ نیچے گاڑیوں کی پارکنگ تھی کہ جہاں آپ اپنی ذاتی گاڑی 150 روپے میں پارک کر سکتے تھے۔

میں نے کیری ڈبے کے ذریعے شوگران جانے کے لیے ریٹ طے کیا تو بیگم صاحبہ نے اختلاف کیا کہ ہم نے کیری ڈبے کے ذریعے نہیں جانا کہ یہ خطرناک سواری ہے اور الٹ سکتی ہے۔ اور یہ بھی کہ اگر 800cc کیری ڈبہ اوپر جا سکتا ہے تو آپ اپنی سٹی 1300cc کیوں نہیں اوپر لے جاتے۔ مجھے بات معقول معلوم ہوئی اور سڑک پر نظر دوڑائی تو سیدھی چڑھائی تھی لیکن کافی لوگ اپنی گاڑیوں میں آ جا رہے تھے۔ تو بسم اللہ کر کے گاڑی شوگران کے رستے پر ڈال دی۔ سڑک بہت خراب تھی لیکن گاڑی آہستہ آہستہ چڑھ رہی تھی۔ اچانک مجھ سے آگے آلٹو نے بریک لگائی، دیکھا تو اس سے آگے ایک کرولا کی بریک لگ گئی تھی لیکن یہ بریک نہیں تھی بلکہ کرولا نے چڑھائی چڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ دو تین نوجوان کرولا سے اترے اور اسے دھکا لگایا اور وہ پھر سے چیونٹی کی رفتار سے رینگنے لگی۔ میری گاڑی کے بریک لگنے سے اس کا ٹمپو ٹوٹ چکا تھا لہٰذا اب کی بار تین چار مرتبہ سے پیچھے سے لا کر چڑھانے کی کوشش کی لیکن گاڑی اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ پھر وہاں سے بمشکل گاڑی موڑی اور پیچھے دیکھا تو ایک اور کرولا کھڑی تھی اور رستے میں کافی گاڑیاں رستے ہی سے واپس جاتی ملیں۔

اوپر نہ جاسکنے کی وجہ سڑک کی نسبت چڑھائی تھی کہ اتنی سیدھی تھی کہ 1300cc گاڑی کو بھی اگر بریک لگ جائے تو دھکے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب ایسے میں فیملی والوں کے لیے تو واپسی کے علاوہ رستہ نہ تھا لیکن جو تو دوست تھے تو وہ گاڑی سے اتر کر دھکا لگا لیتے تھے۔ پس شوگران کا وزٹ اگلے کسی سال پر چھوڑا اور اسلام آباد کی راہ لی۔ رات دس بجے کے قریب اسلام آباد پہنچے تو لاہور تک مسلسل سفر کرنا مناسب نہ سمجھا لہذا اسلام آباد میں E-11/2 میں رائل گلیکسی گیسٹ ہاؤس میں کمرہ بک کروایا اور رات وہیں گزاری۔ کمرہ بہت ہی صاف ستھرا تھا اور ایک رات کا کرایہ 3500 تھا کہ جس میں دو افراد کا ناشتا بھی شامل تھا۔ گیسٹ ہاؤس میں گھریلو کھانے مناسب ریٹس پر دستیاب تھے۔ رات کا کھانا اور صبح کا ناشتا وہیں سے کیا۔ صبح مجھے کامسائس اسلام آباد کیمپس میں کچھ کام تھا لہذا یونیورسٹی کی راہ لی۔ بچوں نے فیصل مسجد دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ واپسی پر ان کو فیصل مسجد دکھائی اور دوپہر دو بجے اسلام آباد سے لاہور کی راہ لی۔ لاہور سے ناران جاتے وقت ایبٹ آباد میں رات رکنے اور واپسی پر اسلام آباد میں رات گزارنے کا تجربہ اچھا رہا۔ اسلام آباد میں رات گزار کر آپ اگلے دن بچوں کو فیصل مسجد کے علاوہ شکر پڑیاں، سینی ٹوریم وغیرہ جیسی جگہیں بھی وزٹ کروا سکتے ہیں۔

جہاں تک اس ٹور کے خرچے کا تعلق ہے تو وہ چار راتوں اور پانچ دنوں میں کل ملا کر 46500 ہوا۔ سب سے بڑا خرچ رہائش کا ہے، اس کے بعد فیول اور کھانے کی باری آتی ہے۔ اور شاپنگ کا خرچہ بقول ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب، آپ کی قسمت پر ہے۔ چار راتوں کی رہائش کا خرچہ ایبٹ آباد ایک رات 3300، ناران دو راتیں 8000 اور اسلام آباد ایک رات 3500 ہوا۔ پس رہائش کا کل خرچہ 14800 ہوا۔ فیول، جیپ کا کرایہ اور ٹول ٹیکس وغیرہ کا کل خرچ 13500 تھا۔ اس میں 2000 جیپ کا کرایہ تھا اور ٹول ٹیکس 1500 جبکہ لاہور سے بابوسر ٹاپ تک آنے جانے کا فیول 10000 کا تھا۔ میری گاڑی کی ایورج موٹروے پر 14 کلومیٹر تھی جبکہ اس کے بعد پہاڑی رستوں میں نوٹ نہیں کی۔ شاپنگ کا خرچہ 7000 کا تھا اور یہ خرچہ آپ پر ہے کہ جتنا مرضی بڑھا لیں یا کم کر لیں۔ کھانے کا خرچہ 11300 تھا۔ یہ پانچ دنوں کا گرینڈ ٹوٹل خرچ

46500 ہوا یعنی ایک دن کے حساب سے 9300 روپے خرچ رہا۔

اس خرچ میں آپ فیول میں کچھ اس صورت بچا سکتے ہیں جبکہ آپ کی گاڑی ہائبرڈ یا سیمی ہائبرڈ ہو۔ اسی طرح کھانے کا خرچ اس طرح کم کر سکتے ہیں کہ گھر سے رستے اور سفر کے لیے کچھ پکڑ لیں اور سفر میں گھر کا بنا ہوا ریڈی میڈ کھانا مثلاً سینڈوچز، بریانی وغیرہ کھائیں یا سفر میں خود سے کھانا بنائیں یا بازار سے خرید کر پکا لیں تو وہ بھی ہوٹل کی نسبت کافی سستا ہے کہ نیسلے کا رائتا آپ کو عام بازار سے 80 روپے میں مل جائے گا لیکن ریسٹورنٹ والے اسی کا 140 یا 150 روپے چارج کریں گے۔ رہائش کا خرچ بھی اگر آپ کم کرنا چاہیں تو ناران جاتے ہوئے ایبٹ آباد اور واپسی پر اسلام آباد میں نہ رکیں۔ پانی کے بارے بتلایا تھا کہ نیسلے کی بجائے صوفی کی پانچ لیٹر کی بوتل استعمال کریں جو کہ 130 روپے میں مل رہی تھی۔ رہائش پر اگر مزید کچھ ورکنگ کر لیں تو بھی خرچ کچھ کم ہو سکتا ہے لیکن زیادہ کم نہیں ہو گا۔ البتہ جو دوست اور نوجوان وغیرہ ہیں تو وہ اس طرح رہائش کی بچت کر سکتے ہیں کہ ناران میں کافی خیمے کرائے پر دستیاب ہوتے ہیں، کپڑے کے بھی اور لوہے کی چادر کے بھی اور یہ کافی سستے پڑتے ہیں۔ ہم کل ملا کر پانچ افراد تھے، دو میاں بیوی اور تین بچے۔ تو یہ پانچ افراد کی فیملی کا خرچ تھا۔

باقی رستے میں بیگم صاحبہ سے اس پر گفتگو رہی کہ ہمارا اس سیر سے مقصد کیا ہے؟ ہم اتنا کیوں خرچ کر رہے ہیں یا لوگ سیر و تفریح کے نام پر اس سے بھی کئی گنا زیادہ کیوں خرچ کرتے ہیں؟ اس سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ اصل میں بیگم صاحبہ کو سیر و تفریح میں دلچسپی نہیں ہے کہ جب سفر میں گھر جیسا ماحول میسر نہیں ہوتا تو بندہ مشقت بھی برداشت کرے اور پیسہ بھی خرچ کرے تو کیوں؟ اس کا دینی اور دنیاوی فائدہ کیا ہے؟ اور یہ بات درست ہے کہ بیگم صاحبہ نے اپنی دلچسپی، محنت اور اللہ کی توفیق سے گھر کو جس طرح سے آرام دہ بنا رکھا ہے، اس کے بعد یہ سوال پیدا ہونا بنتا تھا۔ میری رائے میں ہم میں سے ہر کسی کو بریک چاہیے جیسا کہ گاڑی کو بریک چاہیے ہوتی ہے۔ اور اگر آپ اسے بریک نہیں دیں گے تو وہ خراب ہو جائے گی۔ بڑے شہروں میں رہنے والے لوگوں کی زندگی مشینی ہو چکی ہے لہذا سال میں کچھ وقت نکال کر فطرت کے قریب رہ کر گزارنا بہت ضروری

ہو چکا ہے۔ لوگ اس بریک کی خاطر شمالی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ البتہ ایک دین دار شخص اس بریک کے ساتھ کچھ دینی مقصد بھی حاصل کر لیتا ہے کہ وہ اس سیر و تفریح کو اللہ کی قدرت کی نشانیوں کے طور لیتے ہوئے اپنے ایمان کی تازگی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [العنکبوت: 20]۔ ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیں کہ زمین میں چلو پھرو اور غور کرو کہ اللہ عزوجل نے تخلیق کی ابتداء کیسے کی اور دوبارہ کیسے پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ عزوجل ہر چیز ہر قادر ہے۔

لاہور سے وادی نیلم تک

جہاں تک مجھے محسوس ہوتا ہے تو وادی نیلم کے سفر کے لیے بہترین اوقات کار 20 جولائی سے 20 اگست کے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مہینے بھر کا دورانیہ وادی نیلم میں انتہائی گرمی کا موسم شمار ہوتا ہے۔ اور انتہائی گرمی کے مہینے میں جانا اس لیے ضروری ہے کہ خوبصورت ترین مقامات جیسا کہ رَتی گلی جھیل وغیرہ کے رستے اسی دورانیے میں کھلتے ہیں، ورنہ تو برفباری کی وجہ سے سارا سال بند رہتے ہیں۔ لہذا آپ آگے پیچھے جانے سے بعض لائف ٹائم یادگار مقامات کی سیر و سیاحت سے محروم رہ سکتے ہیں۔

دوسرا مشورہ یہ ہے کہ سفر میں ہمیشہ غیر متوقع حالات کے لیے تیار رہیں، خاص طور پہاڑی علاقوں میں ٹریفک کے رش اور روڈ کے بلاک ہونے کے لیے۔ اوور آل سڑک اگرچہ بہتر ہے لیکن بعض مقامات پر سڑک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تا حال کچے ہیں یا زیر تعمیر ہیں اور ہلکی سی بارش سے کیچڑ بن جاتا ہے کہ جس سے بڑی گاڑیاں مثلاً لوڈڈ ٹرک وغیرہ پھنس جاتے ہیں یا گر جاتے ہیں یا سلِپ (slip) کرنے لگ جاتے ہیں۔ ناران کاغان کا رستہ وادی نیلم کے رستے سے بہت صاف ستھرا ہے یعنی کارپٹ روڈز (carpet roads) ہیں لہذا مشورہ یہ ہے کہ کسی نے اگر پہلی مرتبہ شمالی علاقہ جات کا سفر کرنا ہو تو وہ ناران کاغان کو ترجیح دے۔

ہم نے لاہور سے مظفر آباد براستہ مری روڈ جانے کا پروگرام بنایا تھا لیکن مری کے قریب ایک

مقام لوئر ٹوپہ پر بدترین ٹریفک جام تھی اور آگے سے رستہ بھی بند تھا۔ ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد رستہ تبدیل کرنا پڑا اور پھر براستہ نتھیا گلی، ایبٹ آباد پہنچے اور وہاں رات گزاری۔ اور اگلے دن ایبٹ آباد سے مظفر آباد کے لیے نکلے۔ یہ رستہ کافی لمبا پڑ گیا تھا لیکن کوئی اور حل نہیں تھا اور رستے میں مری کے قریب کافی رش بھی تھا، اس سے بھی لیٹ ہوئے۔ البتہ لوئر ٹوپہ سے نتھیا گلی، نتھیا گلی سے ایبٹ آباد، ایبٹ آباد سے مظفر آباد رستہ کافی صاف ہے اور مظفر آباد تک کارپٹ روڈ ہے۔

تو اس طرح صبح آٹھ بجے نکلے تھے اور رات نو بجے ایبٹ آباد پہنچے یعنی لاہور سے ایبٹ آباد تک کا رستہ 11 گھنٹوں میں طے ہوا۔ لیکن اگر لاہور سے براہ راست ایبٹ آباد جایا جائے تو یہ ایبٹ آباد تک موٹر وے ہے اور آپ چھ گھنٹوں میں آرام سے ایبٹ آباد پہنچ جاتے ہیں اور رش یا روڈ بلاک ہونے کی ٹینشن بھی نہیں ہے۔ اور پھر ایبٹ آباد سے مظفر آباد اڑھائی گھنٹے کا رستہ ہے یعنی لاہور سے مظفر آباد پہنچنے کا یہ تیز ترین رستہ ہے اگرچہ لمبا ہے۔ اگر آپ صبح صبح لاہور سے نکلیں تو پہلا پڑاؤ مظفر آباد میں کر سکتے ہیں۔

تیسرا مشورہ یہ ہے کہ ایک دن میں زیادہ سفر نہ کریں بلکہ مناسب سفر کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ زیادہ تھک جائیں گے۔ جب زیادہ تھک جائیں گے یعنی اندر تھکاوٹ ہو گی تو اس کے دو نقصان ہوں گے: ایک تو مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو گا، بیوی بچوں پر غصے ہوں گے، بلکہ وہ بھی تھکاوٹ کی وجہ سے ایگزاسٹ (exhaust) ہوں جائیں گے اور برداشت کم ہو جائے گی اور بات بات پر اُوکھے ہوں گے، دوسرا باہر کی خوبصورتی کم پڑ جائے گی۔ آپ کو بستر باہر کے مناظر کی نسبت زیادہ خوبصورت معلوم ہو گا۔ تو رک رک کر سفر کریں۔ سفر کو کام سمجھ کر نہ کریں کہ آج میں نے اتنا سفر کرنا ہی ہے بلکہ انجوائے منٹ کے لیے کریں۔ رستے میں چائے وغیرہ کے لیے رکیں، آبشاریں دیکھیں، ہر اچھے پکنک اسپاٹ پر رکیں، بھلے پانچ دس منٹ کے لیے ہی سہی، اللہ کی تخلیق کو دیکھیں، اس پر سبحان اللہ کہیں، اللہ کا شکر ادا کریں۔ تو آپ انجوائے کرنے نکلے ہیں نہ کہ کام کرنے یعنی سیر کوئی دفتری کام سمجھ کر نہ کریں کہ اتنے وقت میں یہ فائل مکمل کرنی ہے اور اتنے میں یہ کرنی ہے۔ اس سے وہ واقعی میں دفتری کام بن جائے گی۔

ناران کاغان کے سفر کو میں تین اعتبارات سے وادی نیلم کے سفر پر ترجیح دوں گا؛ ایک تو یہ کہ اس طرف کے سڑکیں زیادہ صاف ہیں، دوسرا یہ کہ اس طرف آبشاریں کافی ہیں، وادی نیلم کی طرف بھی ہیں لیکن کم ہیں اور ایک بڑی تعداد ان آبشاروں کی تھی جو سوکھی ہوئی تھیں یعنی ان میں پانی جاری نہیں تھا۔ تیسرا ناران کاغان میں لاہوری پہنچے ہوئے ہیں لہذا آپ کو لاہور کے کھانوں کا ہر ذائقہ ملتا ہے جبکہ وادی نیلم میں آپ اچھے کھانوں کو ترستے ہیں، ترسنے کا لفظ لاہوریوں کے لیے بولا ہے کہ جن کا کھانوں کا ذوق اچھا ہے۔ ہو سکتا ہے، بعضوں کو وادی نیلم کے کھانے پسند آئے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سادہ کھانے ہیں۔

اور چوتھا مشورہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا گیس کا سلنڈر اپنے ساتھ رکھیں اور اپنا کھانا خود بنائیں۔ پہاڑی اور پُر فضا مقامات پر کھانا بنانا بھی ایک انجوائے منٹ بن جاتا ہے۔ ہم سلنڈر ساتھ لے گئے تھے لیکن اس پر چائے وغیرہ بناتے رہے اور اچھا تجربہ رہا البتہ کھانا نہیں بنایا کہ اندازہ نہیں تھا کہ وادی نیلم کے کھانے ایسے ہوں گے ورنہ اس کا بھی انتظام کر کے ہی جاتے۔ باقی کھانے پینے کی ہر چیز وہاں پر دستیاب ہے، گھر سے کچھ لے کر جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہاں کی نسبت مہنگی ہیں لیکن وادی نیلم تو ناران کاغان سے سستا ہے؛ کرائے میں بھی اور کھانے پینے میں بھی۔ ناران کاغان میں ریسٹورنٹس بہت ہیں یعنی کھانے کی جگہیں جبکہ وادی نیلم میں ہوٹل کے علاوہ ریسٹورنٹس کا تصور نہ ہونے کے برابر ہے کہ ہوٹلز ہیں۔ اور عموماً جہاں آپ ٹھہرے ہیں، اسی ہوٹل سے آپ کو کھانا کھانا پڑتا ہے، یہ بھی ایک نیگیٹو پوائنٹ ہے۔

وادی نیلم، آزاد کشمیر کا ایک ضلع ہے جو مظفر آباد کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے۔ تو جیسے ہی آپ مظفر آباد سے نکلیں تو فیول کی ٹینکی فل کروالیں کیونکہ آگے پٹرول پمپس ہیں تو سہی لیکن کہیں کہیں ہیں اور چھوٹے چھوٹے ہیں اور بعض علاقوں میں پٹرول کھلا ملتا ہے لیکن نسبتاً مہنگا بھی۔ وادی نیلم میں ٹھہرنے کے اعتبار سے تین مقامات زیادہ معروف ہیں کہ جہاں سیاح نسبتاً زیادہ ٹھہرتے ہیں؛ اٹھمقام، کیرن اور شاردہ۔ یہ تینوں مقامات اسی ترتیب سے آگے پیچھے ہیں۔

تو اگلا مشورہ یہ ہے کہ کیرن میں کسی ہوٹل میں قیام کریں، مجھے اٹھمقام کی نسبت کیرن زیادہ

پسند آیا ہے بلکہ شاردہ سے بھی زیادہ کیرن کا ویو اچھا لگا۔ وادی نیلم کی خوبصورتی اٹھمقام سے شروع ہو جاتی ہے اور کیرن کے بعد بڑھتی ہی چلتی جاتی ہے۔ مظفر آباد سے اٹھمقام کوئی 100 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اور گوگل میپس کے مطابق چار گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ لیکن آپ نے چونکہ رستے میں رکنا بھی ہے، اور دن میں ٹریفک کے رش کی وجہ سے وقت بڑھ جاتا ہے لہذا چھ گھنٹے بھی آرام سے لگ جاتے ہیں۔ اگر کوئی ٹرک ہی آپ کے سامنے آجائے تو پانچ سات منٹس تو آپ کے وہی لے جاتا ہے کہ اسے اوورٹیک کرتے کرتے بھی وقت لگ جاتا ہے۔ اور ایسا بیسیوں مرتبہ ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی لوڈر گاڑی آگئی۔ جب بھی ایسا ہوتا تو میرے بچے مزاح میں کہتے کہ بابا ہمارے آگے کچھوا الگ گیا ہے۔

دوسرا پہاڑی رستے ہونے کی وجہ سے پہلے یا دوسرے گیئر میں ہی گاڑی چلانی پڑتی ہے، پھر رستے کہیں کہیں مشکل بھی ہیں اگرچہ زیادہ خطرناک نہ بھی ہوں۔ تو اس وجہ سے بھی رفتار آہستہ ہی رہتی ہے۔ اٹھمقام سے کیرن تقریباً دس بارہ کلو میٹر ہے۔ تو مظفر آباد سے کیرن تک کا سفر گوگل میپس کے مطابق ساڑھے چار گھنٹے کا ہے جبکہ دن میں آپ کو ساڑھے چھ گھنٹے آرام سے لگ سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ صبح میں یہی سفر کریں تو ساڑھے تین گھنٹے میں بھی ہو جائے گا کیونکہ روڈ پر گاڑی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ میں نے کیرن سے مظفر آباد واپسی ساڑھے تین گھنٹوں میں کی جبکہ آدھا گھنٹہ رستے میں ناشتے کے لیے رکے بھی تھے۔ تو اصلاً تین گھنٹے لگے لیکن میں صبح چھ بجے کیرن سے نکل گیا تھا اور ساڑھے نو بجے مظفر آباد پہنچ گیا تھا۔

کیرن دریائے نیلم کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ دریا کے دوسری طرف مقبوضہ کشمیر ہے یعنی دریا ہی درمیان میں لائن آف کنٹرول ہے اور آپ اپنے ہوٹل سے سامنے مقبوضہ کشمیر کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیرن کو کراس کرنے کے بعد ایک ساتھ کئی ایک ہوٹلز موجود ہیں۔ شروع میں چند ایک ہوٹلز نسبتاً زیادہ صاف ستھرے ہیں۔ میں نے چار ہوٹلز دیکھے، ان میں سے ایک سب سے صاف ستھرا معلوم ہوا تو وہاں دو دن کے لیے رہائش اختیار کی۔ ایک ہوٹل والے ایک رات کے 3500 مانگ رہے تھے، دوسرے نے 4500 کہا جبکہ جس سے معاملہ طے ہوا، اس نے 3500

کہا تھا تو تین ہزار میں طے پا گیا۔ ہوٹل کی امیجز ساتھ میں ملحق ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ناران کاغان میں ہوٹلز کی آپشنز بہت زیادہ بھی ہیں اور بہت بہتر بھی۔ یہ کیرن میں موجود ہوٹلز میں سے ایک بہتر آپشن تھی۔

گھر سے نکلتے وقت ایک بات کا اہتمام ضرور کر لیں کہ اپنے ساتھ اپنے اور بچوں کے پلاسٹک سلیپرز گاڑی میں رکھ لیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ آپ کہیں بھی رستے میں کسی آبشار پر رکتے ہیں تو پانی میں آرام سے گھس سکتے ہیں۔ میں نے وادی نیلم کی سیر سے پہلے کچھ آرٹیکلز پڑھے تھے تاکہ سفر میں آسانی رہے لیکن اکثر لوگ غیر ضروری چیزیں بتلاتے رہتے ہیں، کام کی چیز کوئی کم ہی ذکر کرتا ہے۔ جہاں تک موسم کی بات ہے تو وادی نیلم کا موسم دن کے اوقات میں گرم تھا کہ واسکٹ پہننا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے وہاں کے ایک مقامی سے پوچھا کہ یہاں تو اچھی خاصی گرمی ہے تو وہ کہنے لگا کہ اس سال تیرہ فٹ برف پڑی ہے لیکن اس کے باوجود گرمیوں میں دن میں گرمی ایسی ہی ہے۔ اور یہ گرمی ٹورسٹ لے کر آ رہا ہے، یعنی وہ خود اور اس کی گاڑی کا دھواں اور اس کا پھیلایا ہوا گند اور کچرا وغیرہ۔ رات میں موسم کچھ معتدل ہو جاتا ہے اور پنکھے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

پانی ٹھنڈا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ ہاتھ نہ لگایا جا سکے۔ بہر حال گزارا چلتا تھا۔ پینے کے لیے البتہ منرل واٹر استعمال کریں۔ اور مظفر آباد سے نکلتے ہوئے صوفی کی پانچ لیٹرز کی دو چار پانی کی بوتلیں پکڑ لیں جو کہ سستی پڑتی ہیں کہ 130 روپے میں ایک بوتل پڑ جاتی ہے۔ ہوٹل میں صبح سات بجے اگر آپ اپنے باتھ روم کی بالٹی کمرے سے باہر رکھ دیں تو ایک بالٹی نیم گرم پانی کی ہوٹل والے رکھ جاتے ہیں کہ صبح کے وقت پانی ذرا زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو بچوں کے منہ ہاتھ دھلوانے میں کام آ جائے گی۔ لیکن بالٹی رکھنے سے پہلے رات کو ہی ریسیپشن پر اطلاع کر دیں کہ ہمیں صبح گرم پانی چاہیے تو اس سے انہیں یاد بھی رہ جائے گا۔

اٹھمقام میں کوئی خاص مقام دیکھنے والا نہیں ہے۔ بس دریا کے کنارے وقفے وقفے سے پکنک اسپاٹ بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح ناران کاغان کی طرف جائیں تو رستے میں سڑک کے ساتھ ساتھ دریائے کنہار چلتا نظر آتا ہے، اسی طرح وادی نیلم میں مظفر آباد سے ہی دریائے نیلم آپ کے ساتھ

ہو جاتا ہے۔ بس اٹھمقام، کیرن اور اس کے بعد شاردہ کے مقام پر سڑک نیچے دریا کے لیول پر آجاتی ہے۔ اور یہی ان علاقوں کے پکنک اسپاٹ ہونے کی وجہ ہے کہ ناران میں بھی یہی ہوا ہے کہ شہر دریا کے لیول پر آجاتا ہے۔ تو اگر تو آپ نے کیرن میں رکنا ہے تو پھر اٹھمقام میں نہ رکیں بلکہ کیرن میں آپ کو دریا کے کنارے ایسے پکنک اسپاٹ مل جائیں گے جیسے اٹھمقام میں ہیں۔ کیرن میں آپ کے اور دریا کے درمیان ایک سڑک کا فاصلہ ہے۔ اور آپ کے ہوٹل اور سامنے مقبوضہ کشمیر کے درمیان ایک دریا کا فاصلہ ہے۔ دریا کی دوسری طرف کوئی باقاعدہ باڑ دیکھنے کو نہیں ملی، بعض مقامی لوگوں نے بتلایا کہ لیزر باڑ موجود ہے۔

ایک بات یاد رہے کہ مظفر آباد کی حدود کراس کرتے ہی آپ کی سِم کے سگنلز غائب ہو جاتے ہیں۔ مقامی لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں ایسکو (SCO) کا نیٹ ورک چلتا ہے اور اس کی سمز دو سے اڑھائی سو میں عام دستیاب ہیں۔ لہذا گھر والوں سے رابطہ میں رہنے کے لیے نئی سم ضرور خرید لیں۔ جہاں تک میپس کا تعلق ہے تو سیجک (sygic) کے میپس جو عموماً گاڑیوں کی نیویگیشن کے طور انسٹالڈ ہوتے ہیں، وادی نیلم میں بالکل کام نہیں کر رہے تھے۔ البتہ گوگل میپس کچھ کام کرتے ہیں لیکن اگر وہ بھی آپ نے ڈاؤن لوڈ کیے ہوئے ہیں تو کسی کام کے نہیں۔ البتہ آن لائن ہیں تو کچھ کام چلائیں گے۔

میری رائے میں لاہور سے آنے والوں کے لیے زیادہ مناسب یہ ہے کہ پہلا قیام مظفر آباد میں کریں، اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ لاہور سے مظفر آباد تک کا سفر ساڑھے آٹھ گھنٹے کا ہے اور اگر آپ رستے میں دو چار جگہ نمازوں، کھانے اور چائے وغیرہ کے لیے ٹھہرتے ہیں یا رش میں پھنس جاتے ہیں تو آرام سے یہ دس گھنٹے کا سفر بن جاتا ہے۔ اور ایک دن میں اس سے زیادہ اپنے آپ کو تھکانا مناسب نہیں ہے جبکہ آپ کے ساتھ فیملی اور بچے بھی ہوں۔ اگر صرف دوست ہوں تو پھر تو زیادہ بھی سفر کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ہوٹل میں کمرہ بک کروانے کی بات ہے تو پلے اسٹور سے بکنگ ڈاٹ کام (Booking.com) کی ایپ ڈاؤن لوڈ کر لیں جو اس حوالے سے بہت ہی مفید ایپ ہے اور اس میں فری بکنگ کی آپشن موجود ہے۔ البتہ اس طرح آن لائن بکنگ میں

ہوٹل نسبتاً مہنگا پڑتا ہے مثلاً ہزار دو ہزار روپے تک مہنگا پڑ سکتا ہے۔

دوسرے دن آپ مظفر آباد سے کیرن کے لیے صبح صبح پانچ بجے نکل پڑیں۔ اگر ٹریفک کا رش نہ ہو تو یہ تین سے ساڑھے تین گھنٹے کا سفر ہے اور رش ہو تو پانچ سے چھ گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں۔ مظفر آباد سے کیرن کے رستے پر 74 کلو میٹر کے فاصلے پر "کنڈل شاہی" کا قصبہ ہے جہاں سے ایک سائیڈ روڈ "کٹن" کو نکلتی ہے۔ اور "کٹن" کی واٹر فالز بہت معروف ہیں اور دیکھنے کی جگہ ہیں۔ البتہ میں نے صرف تصویروں میں انہیں دیکھا ہے، مسکراہٹ۔ میں وہاں نہیں جا سکا، اس کی وجہ کنڈل شاہی میں ٹریفک جام تھی، جس نے بری طرح تھکا دیا لہذا جانے کی ہمت نہیں پڑی۔ بعض دوستوں نے کمنٹس میں اس جگہ کی کافی تعریف کی ہے۔ اور بعض دوستوں نے یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ کٹن (جاگران) میں ہائیڈرو الیکٹرک بورڈ کے ریسٹ ہاؤسز فیملی کے ساتھ قیام کے لیے بہترین ہیں۔ تو ایک رات یہاں پر بھی قیام کیا جا سکتا ہے۔

تو آپ "کٹن" میں دو چار گھنٹے یا ایک دن رک جائیں اور دوبارہ کنڈل شاہی آئیں اور یہاں سے کیرن کی طرف نکلیں اور دو چار گھنٹے قیام کی صورت میں عصر تک کیرن پہنچ جائیں۔ ہوٹل میں سامان وغیرہ رکھیں اور اسی شام "اپر نیلم" کو نکل جائیں۔ اپر نیلم، کیرن سے ایک رستہ اوپر پہاڑی کو نکلتا ہے جو کہ اڑھائی کلو میٹر ہے۔ اور اوپر پہاڑ پر کچھ آبادی بھی ہے اور ریسٹورنٹس بھی۔ پہاڑ کی چوٹی سے سامنے مقبوضہ کشمیر کا کافی بڑا ویو نظر آتا ہے۔ تو شام کے شام اپر نیلم دیکھ سکتے ہیں۔ پہاڑ کی سڑک کافی سیدھی ہے لہذا گاڑی اوپر لے جانے سے پہلے کسی مقامی آدمی سے مشورہ کر لیں، خاص طور ہوٹل کے استقبالیہ سے، کہ اتنے افراد ہیں اور یہ گاڑی ہے، کیا میں آسانی سے اوپر لے جا سکتا ہوں۔ اس پہاڑی رستے سے کیرن کے ویو کی کچھ تصاویر شیئر کی ہیں۔

دوسری رات کیرن میں قیام کرنے کے بعد اگلی صبح پھر پانچ بجے نکل کھڑے ہوں۔ کیرن سے شاردہ جاتے ہوئے رستے میں کوئی چودہ پندرہ کلو میٹر بعد دواریاں کے مقام پر ایک رستہ اوپر رتی گلی جھیل کو جاتا ہے۔ کیرن سے دواریاں کوئی گھنٹے کا رستہ ہے اور دواریاں سے اوپر جھیل تک دو گھنٹے کا رستہ ہے یعنی صرف جانے کے دو گھنٹے ہیں۔ رتی گلی جھیل بہت ہی خوبصورت اور دیکھنے والی وادی اور

جھیل ہے۔ یہ دواریاں سے اوپر اٹھارہ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ سولہ کلومیٹر جیپ پر طے ہوتا ہے اور دو کلومیٹر گھوڑوں پر۔ سولہ کلومیٹر کے بعد بیس کیمپ ہے جہاں گلیشیر ہے اور لوگ یہاں رات بھی گزارتے ہیں جو کہ زندگی کا منفرد تجربہ ہے۔

ہم نے یہاں رات نہیں گزاری کیوں کہ مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ اکثر لوگ رات کو ایک دو بجے بیمار پڑ جاتے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ فیملی اور چھوٹے بچے بھی ہیں اور ان کے ساتھ اوپر رکنا مناسب نہیں ہے کہ رات کو ٹمپریچر منفی دس ڈگری ہوتا ہے۔ اور رہنا خیموں میں ہی ہے۔ تو اوپر بیس کیمپ کے بعد ایک طرح کا گلیشیر ہے یعنی برف ہی برف ہے۔ جن دنوں ہم گئے تھے، بس انہی دنوں رستے کی صفائی ہو رہی تھی اور تقریبا مکمل ہو چکی تھی لہذا اگر رتی گلی جھیل کو وزٹ کرنا ہو تو دس جولائی سے پہلے وادی نیلم کا چکر نہ لگائیں۔ اور اگر کسی سال برف باری زیادہ ہوئی ہے تو اس کا رستہ اگست کے قریب جا کر کھلے گا۔ لہذا جانے سے پہلے بذریعہ فون وہاں کے کسی ہوٹل کی انتظامیہ سے معلوم کر لیں کیونکہ انہیں سب معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ سب اس لیے کر لیں کہ اس علاقے میں یہ جگہ دیکھنے والی ہے۔

یہ جگہ جھیل سیف الملوک کی نسبت تاحال صاف ستھری ہے کہ یہاں رش نہیں پڑا ہے کیونکہ کٹھن جگہ ہے اور کم لوگ ہی ہمت کرتے ہیں۔ شروع کے نو کلومیٹر کی چڑھائی تو جھیل سیف الملوک کی چڑھائی سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور کئی مرتبہ تو انسان سوچتا ہے کہ کیوں اپنے آپ کو موت کے خطرے میں لے آیا ہے جبکہ آپ کا ڈرائیور بھی خطرناک ڈرائیونگ کرنے والا ہو اور محتاط نہ ہو۔ اس وزٹ کے جیپ والوں نے ساڑھے پانچ ہزار لیے۔ بعض دنوں میں ساڑھے چھ ہزار بھی لیتے ہیں۔ ہر دن کا ریٹ فکس اور الگ ہوتا ہے۔ جانے سے پہلے جیپ والوں سے معلوم کر لیں کہ اوپر جھیل تک کا رستہ صاف ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ صاف ہو چکا ہے تو پھر جائیں ورنہ نہیں۔

دوسری صورت میں وہ آدھے رستے سے واپس لے آئیں گے اور کرایہ پورا چارج کر لیں گے کہ ہم تو آپ کو اوپر تک لے کر گئے ہیں تو رستہ ہی بند تھا، ہم کیا کرتے۔ تو یہ رستہ صاف ہونے میں بھی ہفتوں لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات آدھا یا دو تہائی رستہ صاف ہوتا ہے تو لوگ آدھے رستے یا دو تہائی

رستے تک بھی جاتے رہتے ہیں، صرف وادی دیکھنے کے لیے کہ وادی بھی خوبصورت ہے۔ اور فطرت اپنی اصل صورت میں محفوظ ہے کہ زیادہ انسانوں کے قدموں نے اس جگہ کو تاحال پامال نہیں کیا ہے۔ اور اگر صرف دوست ہیں تو وہ بیس کیمپ میں رات گزار سکتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ آپ فیملی اور بچوں کی وجہ سے بہت سے مقامات پر نہیں جاسکتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی ارادہ ہے کہ کبھی دوستوں کے ساتھ ان علاقوں کی سیر کی جائے۔

وادی نیلم کے سفر میں ایک چیز جو کہ حیران کن تھی، اس اعتبار سے کہ ایسا ناران کاغان میں دیکھنے کو نہ ملا، کہ وادی نیلم کی سیر پر نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد بائیکس پر دیکھی۔ ون ٹو فائیو (125cc) یا ون ففٹی (150cc) پر دو دو نوجوان سوار تھے کہ جنھوں نے اپنے ساتھ کیمپنگ کا سامان اٹھا رکھا تھا۔ ان علاقوں میں بائیکس پر سفر آسان بھی ہے، تیز رفتار بھی، سستا بھی اور ایڈوینچر بھی۔ وادی نیلم میں اٹھمقام کے بعد کیرن اور کیرن کے بعد تیسرا بڑا مقام شاردہ ہے۔ مظفر آباد سے کیرن تک سڑک کافی مناسب ہے جبکہ کیرن سے شاردہ تک ٹوٹی پھوٹی ہے۔ اور کئی ایک مقامات پر اتنی تنگ ہے کہ ایک ہی گاڑی گزر سکتی ہے لہذا آپ کو سامنے سے آنے والی گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

کیرن سے شاردہ تک کا سفر تقریباً اڑھائی سے تین گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ رستے کے مناظر خوبصورت ہیں اور فطرت کے کافی قریب ہیں۔ شاردہ بھی ایک بڑا قصبہ ہے جہاں پرانے زمانے کی ایک یونیورسٹی اور قلعہ موجود ہے۔ یونیورسٹی کیا ہے، چند دیواریں کھڑی ہیں۔ اور قلعہ کے نام پر ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اور کچھ باؤنڈری وال۔ تو یہ تو کوئی دیکھنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ البتہ شاردہ میں دریا کے ساتھ کافی کھلی جگہ موجود ہے جہاں ٹورسٹس کے لیے پارکنگ کی سہولت بھی میسر ہے اور موٹر بوٹ کی بھی۔ لیکن جس دن ہم گئے تھے، اس دن دریا میں پانی کا بہاؤ تیز تھا لہذا موٹر بوٹ نہیں چل رہی تھی۔ تو شاردہ کا یہ پکنک اسپاٹ وزٹ اور کشتی رانی کے لیے ایک پوائنٹ ہے۔

ایک چیز جو ناران کاغان کی طرح وادی نیلم میں بھی دیکھنے کو ملی اور کافی تکلیف دہ ہے، وہ ہے آلودگی، کچرے کے ڈھیر، وہ بھی آبشاروں اور دریا کے کنارے، جیسا کہ آپ کو ملحق امیجز میں نظر آ

رہا ہے، اور یہ سب ٹورسٹ کا پھیلایا ہوا گند ہے۔ دریائے نیلم کی کچھ پرانی تصویریں دیکھی ہیں کہ جن میں اس کا پانی نیلگوں نظر آرہا ہے لیکن اب تو یہ بھی دریائے کنہار کی طرح مٹیالا ہے۔ دریائے کنہار کے پانی کی اصل رنگت سبزی مائل ہے جو بہت پیچھے جا کر دیکھنے کو ملتی ہے جیسا کہ لولو سر جھیل کے قریب۔ دریائے نیلم کے بارے معلوم نہیں کہ شاردہ سے آگے جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ شاردہ کے مقام پر ایک پل بھی ہے کہ جس کے ذریعے آپ دریا کی دوسری طرف جاسکتے ہیں کہ جہاں پکنک اسپاٹ بنایا گیا ہے، یہاں پل کراس کرنے کے لیے گاڑی تھوڑی احتیاط سے چلانے کی ضرورت ہے کہ پل تنگ ہے اور پہلی نظر میں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گاڑی دوسری طرف جا نہیں سکتی اور یہ تو پیدل چلنے والوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ لیکن جب آپ کچھ گاڑیاں آتے جاتے دیکھیں گے تو حوصلہ ہو جائے گا کہ اور لوگ آ جا رہے ہیں تو آپ بھی آ جاسکتے ہیں۔

شاردہ کے بعد "کیل" ایک اہم مقام ہے۔ میں نے مقامی لوگوں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ "کیل" جانے کا فائدہ نہیں الا یہ کہ آپ "اڑنگ کیل" بھی جائیں۔ مقامی لوگوں اور کچھ دوستوں کا بھی کہنا ہے کہ "اڑنگ کیل" دیکھنے کی جگہ ہے۔ یہ کیل سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے جہاں لوگ پیدل جاتے ہیں یا پھر ایک کلومیٹر کا فاصلہ چیئر لفٹ سے طے کرتے ہیں۔ شاردہ سے اڑنگ کیل کی سڑک پر کچھ سفر کیا، یہ سڑک کچی اور ناہموار ہے۔ مقامی لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی گاڑی نیچے لگے گی لہذا آپ نہ جائیں تو بہتر ہے اور آپ کے ساتھ چھوٹے بچے بھی ہیں۔ میرے پاس سٹی (city) تھی اور سٹی کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ نیچی گاڑی ہے اور شہر میں بھی نیچے لگتی ہے لہذا یہ بات تو درست تھی۔ البتہ بچوں والی بات کے بارے کوئی دوست بہتر بتلا سکتے ہیں کہ دو چار سال کے بچوں کے ساتھ وہاں جایا جاسکتا ہے کہ نہیں کیونکہ اس عمر کے بچے پیدل تو نہیں چلیں گے، گود اٹھانے پڑیں گے۔

مقامی لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اڑنگ کیل کے بعد ایک آخری مقام "تاؤبٹ" بھی ہے اور یہ بھی دیکھنے کی جگہ ہے۔ اور اڑنگ کیل سے تاؤبٹ کا فاصلہ تقریبا دو گھنٹے کا ہے۔ تو اگر آپ گاڑی پر کیرن سے تاؤبٹ کے لیے نکلیں تو واپس کیرن آنا کافی مشکل ہے کیونکہ یہ ایک طرف کا

سفر تقریباً چھ سے سات گھنٹے پڑ جائے گا اور واپسی کے چھ سے سات گھنٹے ملا کر بارہ سے چودہ گھنٹے ہو گئے۔ تو آپ نے ان مقامات پر ٹھہرنا بھی ہے تو یہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ تو اس کا حل یہی ہے کہ جنہوں نے تاؤبٹ جانا ہو تو وہ اگلی رات کیل میں گزاریں۔ اٹھمقام سے کیل تک مقامی بسیں بھی چلتی ہیں جبکہ کیل سے آگے نہ تو بس چلتی ہے اور نہ ہی مقامی لوگ اپنی گاڑی پر تاؤبٹ جانے کا مشورہ دیتے ہیں کہ رستہ خراب ہونے کی وجہ سے آپ کی گاڑی تباہ ہو سکتی ہے۔ اب جو لوگ وہاں گاڑی لے کر گئے ہوں، وہ بتلا سکتے ہیں کہ یہ بات کس حد تک درست ہے۔ باقی میری رائے میں کیرن کے بعد کے علاقے اصلاً بائیک ٹرِپ کے لیے ہیں، گاڑی کے لیے نہیں۔

ایک دوست نے کہا کہ میری دانست میں بہتر یہ ہے کہ گاڑی شاردہ میں پارک کی جائے اور آگے جیپ کروا کر کیل اور تاؤبت تک جایا جائے۔ اڑنگ کیل بلاشبہ خوبصورت ہے اور وہاں جانے کی لیے ایک ڈولی کے ذریعے پار جایا جاتا ہے جس پر بہت رش ہوتا ہے لیکن یہ ایک ایڈوینچر بھی ہے۔ اڑنگ کیل کا قدرتی حسن درخت کاٹ کر اور جابجا ہوٹل بنا کر خراب کیا جا رہا ہے۔ تاؤبٹ بھی ضرور جانا چاہیے لیکن فیملی کے ساتھ گھوم پھر کر واپس کیل آ جانا چاہیے کیونکہ وہاں کیمپنگ کے علاوہ ٹھہرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ دریائے نیلم کا اصل حسن وہیں دکھائی دیتا ہے۔

ایک اور دوست نے کہا کہ شاردہ تک تو آپ نے بتا دیا، آگے مختصراً بتاتا چلوں کہ کیل محض ایک بازار ہے، کچی نما پکی سی سڑک ہے۔ اڑنگ کیل دیکھنے والی جگہ ہے، بچے اگر ایک ڈیڑھ کلو میٹر چڑھائی چڑھ سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ نہیں۔ بہر حال جگہ بہت خوبصورت ہے۔ خواتین بھی جو گرز پہنے ہوئے ہوں۔ اڑنگ کیل لفٹ پہ جانا پڑتا ہے کمزور دل والے نہ بیٹھیں۔ کشمیر کی اصل وادیاں کیل کے بعد شروع ہوتی ہیں اور کیا ہی خوبصورت وادیاں شروع ہوتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ نیلم ویلی میں مزہ سفر کا ہی ہے۔ کیرن کے بعد دواریاں سے رتی گلی جھیل یا کیل سے تاؤ بٹ اور بس! گاڑی 4×4 ہو اور ڈرائیور نہ ڈرنے والا۔

لاہور میں سیر وسیاحت کے بہترین مقامات

علامہ اقبال ٹاؤن پارک اور ماڈل ٹاؤن پارک: لاہور پارکوں کا شہر ہے، اس جیسے پارک شاید ہی

پاکستان کے کسی شہر میں ہوں۔ علامہ اقبال ٹاؤن پارک بڑوں اور بچوں کے لیے یکساں طور بہترین جگہ ہے۔ بہت بڑا پارک ہے اور بہترین الیکٹرک جھولے اور کشتی رانی کے لیے جھیل بھی ہے۔ ماڈل ٹاؤن پارک بھی اپنی صفائی اور ستھرائی کے اعتبار سے دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ بھی بڑا پارک ہے۔ اس پارک میں سکون بہت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہاں لاہور کے عام پارکوں کی طرف لوفروں کا رش نہیں ہوتا ہے اور سنجیدہ لوگ ہی آتے ہیں۔ عام طور ماڈل ٹاؤن کے رہائشی صبح و شام واک کے لیے آتے ہیں۔

چڑیا گھر اور سفاری زُو: بچوں کے لیے بہت مفید ہے، خاص طور چھوٹی عمر کے بچے بہت انجوائے کرتے ہیں۔ لاہور کا دوسرا بڑا چڑیا گھر سفاری زُو ہے جو رائے ونڈ روڈ پر موجود ہے۔ بچوں کے الیکٹرک جھولے ایک اچھا اضافہ ہیں۔ باہر سے آنے والوں کو یہ بھی دیکھنا چاہیے۔ سفاری زُو کافی بڑا ہے۔ لوگ شیر کے جنگلوں اور پرندوں کے پنجروں کو وزٹ کرنے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ بس سفاری زُو اتنا ہی ہے جبکہ وہ اس کے علاوہ بھی ہے۔ شیروں کے ایریا میں گاڑی میں جانے پر ٹکٹ ہے لیکن اس کے علاوہ سارے سفاری زُو میں آپ اپنی گاڑی فری میں گھما پھرا سکتے ہیں جیسا کہ ہرن، زیبرا، ریچھ، مگرمچھ، شترمرغ، کالا چیتا اور جنگلی پرندے بہت کچھ دیکھنے کو ہے۔ بس مجھے اس پارک کی صفائی ستھرائی سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ بحیثیت مجموعی صفائی کا انتظام ناقص ہے۔

جلو موڑ اور سوزو واٹر پارک: جلو موڑ پارک تو بہت بڑا ہے لیکن صفائی ستھرائی کا انتظام اچھا نہیں ہے البتہ سفاری زُو سے بہتر ہے۔ اب انہوں نے اس کے ایک حصہ میں بوٹینیکل گارڈن بنایا ہے جو صاف ستھرا ہے اور اس میں ایک کوورڈ (covered) حصہ تتلیوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اور سوزو واٹر پارک بڑے بڑے اجتماعی سوئمنگ پولز ہیں لیکن مجھے تو ان میں نہانے میں کراہت محسوس ہوتی ہے کہ اتنے سارے لوگوں کے ساتھ یا سامنے نہانا اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ کون اس نہانے کے پانی میں کیا گند پھیلا رہا ہے۔ اس تصور سے ہی الجھن ہونے لگتی ہے کہ لوگ اس پانی میں آرام سے پیشاب بھی کر دیتے ہوں گے۔ البتہ کھلے ڈھلے مزاج کے لوگ خوب انجوائے کر سکتے ہیں۔ بچے بھی خوب انجوائے کرتے ہیں۔

رانا ریزورٹ: لاہور سے تقریباً 70 کلومیٹر کی ڈرائیو پر ہیڈ بلوکی کے پاس ہے۔ یہ دراصل بانس کا بہت بڑا جنگل ہے کہ جس کا ایک حصہ جھولوں اور باغات کے طور سجایا گیا ہے۔ پورے دن کی آؤٹنگ کے لیے مناسب جگہ ہے۔ فیملی پارک ہے۔ ٹیچرز اپنے جاب کارڈز کے ساتھ جائیں تو انہیں رعایتی ٹکٹ مل جاتی ہے۔ دیکھنے کی جگہ ہے اور صفائی کا انتظام بھی اچھا ہے۔ بانس کے گھنے جنگل کی وجہ سے وہاں کا ٹمپریچر گرمیوں میں بھی عموماً 5 ڈگری ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ گرمی میں حبس بھی بڑھ سکتا ہے لہذا معتدل موسم میں سفر کیا جائے۔ جنگل میں واکنگ ٹریکس بنے ہوئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت لانز بھی ہیں۔ عوامی تعطیلات (public holidays) پر جانے سے اوائڈ کریں کہ سب لوگ ان دنوں میں ایسی جگہوں کا رخ کرتے ہیں اور رش بڑھ جاتا ہے کہ جس سے پریشانی ہوتی ہے۔

شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد اور مینار پاکستان: دیکھنے کی جگہیں ہیں۔ اور اب تو ان کے قریب مینار پاکستان اور اس کے ارد گرد کی جگہ کو جس طرح پارک میں تبدیل کیا گیا ہے، وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ جہاں کسی زمانے میں جگہ جگہ ہیروئنچی اور چرسی بیٹھے ہوتے تھے، اب وہاں فوارے، تالاب اور خوبصورت پھولوں کی کیاریاں موجود ہیں۔ مینار پاکستان اور اس کی ارد گرد کی جگہ کو بہت خوبصورت پارک میں بدل دیا گیا ہے۔ صفائی کا انتظام بھی اچھا ہے۔ شاہی قلعہ کا وزٹ تو تھکا دینے والا ہوتا ہے لہذا گھر سے وقت لے کر نکلیں۔ پارکنگ ایریا بھی بہت کشادہ ہے اگرچہ اندرون لاہور میں پارکنگ ایک بڑا ایشو ہوتا ہے لیکن اس مقام پر بہت بڑے بڑے پارکنگ ایریاز بنائے گئے ہیں۔

جوائے لینڈ، ایمپوریم مال اور پیکیجز مال: جوائے لینڈ فورٹرس اسٹیڈیم بچوں کے الیکٹرک جھولوں کے لیے شاید لاہور کا سب سے بہترین مقام ہے۔ عموماً اسکولز کے ٹرِپ یہاں جاتے رہتے ہیں بلکہ ہر دن کچھ نہ کچھ اسکولز وزٹ پر ہوتے ہے کہ ان کے ہاں عام طور اسکولز کے بچوں کے لیے پیکیجز چلتے رہتے ہیں۔ صفائی کا انتظام اچھا ہے۔ اور آرمی کے ماتحت ہونے کی وجہ سے سیکورٹی اور انتظامی معیار بھی کافی اچھا ہے۔

ایمپوریم مال، جوہر ٹاؤن اور پیکیجز مال ڈی ایچ اے ونڈو شاپنگ اور لاہور کی بتیاں دیکھنے کے لیے

بہترین جگہیں ہیں۔ ان دونوں جگہوں سے آپ گروسری خرید سکتے ہیں۔ الیکٹرانک اور برینڈ کی چیزیں یہاں سے ایک نمبر ملیں گی۔ اور بعض اوقات سیل یا پروموشن ہونے کی صورت میں سستی بھی پڑ جاتی ہیں۔ کچھ نہ بھی خرید سکیں تو بیگم اور بچوں کو گھمانے پھرانے کے لیے بہترین جگہ ہے۔

اس وقت تو یہی ذہن میں آ رہے ہیں، باقی پھر کبھی سہی۔

WhatsApp No: 0300-4093026

Facebook ID: https://www.facebook.com/hm.zubair.52

Facebook Page: https://www.facebook.com/drhafizmuhammadzubair/

YouTube Channel: https://www.youtube.com/c/DrHafizMuhammadZubair

Email: mzubair@cuilahore.edu.pk

مصنف کی جملہ کتب کے پی ڈی ایف ورژن کا ڈاؤن لوڈ لنک:

https://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-zubair-temi